اہل حق اور باطل فرقوں کا

معیارِ تکفیر

شیخ الحدیث حضرت

مولانا نور الھدیٰ

صاحب دامت برکاتہم

نام کتاب.................اہل حق اور باطل فرقوں کا معیارِ تکفیر

مولف.................شیخ الحدیث مولانا نور الہدی صاحب

تعداد اشاعت.................ایک ہزار

سال اشاعت (اوّل).................۲۰۱۱ء بمطابق ۱۴۳۲ھ

سال اشاعت (دوم).................جنوری ۲۰۱۲ء بمطابق ۱۴۳۳ھ

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	تمہید	۶
۲	مقدمہ	۱۲
۳	**باب اوّل:** فتنۂ انکار حدیث اور احکام المرتدین میں ماہر علما کی عبارات	۲۴
۴	وضع کردہ عصری قوانین کے متعلق علماء کے اقوال:	۴۲
۵	صحابہ کی وارفتگی کا عالم	۷۷
۶	مختلف گستاخانِ رسول ﷺ کا انجام	۸۰-۹۸
۷	گستاخ رسول کے قتل کے لئے حاکم وقت کی اجازت کی ضرورت نہیں	۹۹
۸	ائمہ کرام کے نزدیک گستاخ رسول کی سزا	۱۰۱
۹	فتح کی بشارت	۱۰۸
۱۰	حدود کا بیان......حدود کے سلسلہ کی عمومی باتیں	۱۱۰
۱۱	**باب دوم:** علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ضوابط تکفیر اور اہل حق کے اصولِ اکفار	۱۱۳

۱۲	حقیقت ایمان	۱۱۵
۱۳	تواتر اور اس کی چند قسمیں	۱۱۷
۱۴	علماء احناف کے نزدیک تو کسی بھی 'قطعی' امر کا انکار کفر ہے	۱۲۰
۱۵	غلام احمد پرویز کے خیالات کا رد	۱۲۲
۱۶	**باب سوم :** کفار سے موالات حرام اور براء واجب ہے، نیز جملہ کفار بالخصوص امریکیوں کی مدد کرنے والے کا حکم	۱۴۸
۱۷	حصول انصاف کے لئے کافر سے تعاون	۱۹۵

اشاریہ

کتاب کے مہمات میں سے چند ملاحظہ ہوں:

(۱) مجاہدین اسلام کا معیار تکفیر نیز اہل سنت والجماعت کے تمام طبقوں بالخصوص اشاعرہ، ماتوردیہ اور سلفیہ کا معیار وضابطہ تکفیر، نیز اہل باطل بالخصوص معتزلہ وخوارج کا معیار وضابطہ تکفیر۔

(۲) احکام الٰہیہ وقوانین شرعیہ کے مقابلہ میں خودساختہ قوانین اور شریعت کے خلاف قانون سازوں اور حاکمیت علیا کے دعویٰ داروں کا شرعی حکم۔

(۳) ایمان وایمانیات اور قیامت تک آنے والے کفر وکفریات اور نئے آنے والے فتنوں کی پہچاننے کے لئے قواعد کلیہ۔

(۴) مسئلہ ولاء وبراء کے بارے میں اہل تحقیق کے بے شمار تحقیقی اقوال خالق کائنات سے بے وفائی وغداری اور طواغیت عالم سے ہمدردی اور وفاداری کے مراحل ومناظر۔

(۵) احکام قطعیہ وضروریات دین کی تحقیق وتفصیل اور ان کی مثالیں اور ان کے احکام شرعیہ۔

(۶) نیز گستاخ انبیاء اور گستاخان کتب سماویہ اور دین الٰہی کی گستاخی کے متعلق مفصل تسلی بخش مدلل احکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمین الذی له الخلق وله الأمر وله الحکم وله الخطاب المتعلق بأفعال المکلفین اقتضاءً وتخییراً ووضعاً من غیر شریک ولا ند ولا مزاحم وصلی الله علی سیدنا محمد وآله وصحبه أجمعین، اللّٰهم تقبل منی انک انت السمیع العلیم واجعله وسیلة بینی وبینک یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من أتی الله بقلب سلیم.

أما بعد:

تمہید

امارۃ اسلامیہ افغانستان کے خاتمہ کے تناظر میں ہم نے رب کائنات سے غداری اور طواغیتِ عالم کی وفاداری کے مناظر مندرجہ ذیل مراحل میں دیکھے:

(۱) جب مجاہدینِ عرب وعجم روس اور اس کے کافرانہ نظام کے خلاف اور اعلاء کلمۃ اللہ العلیا کی نسبت سے اپنی قیمتی جانوں کی قربانی پیش کر رہے تھے اور مجاہدین کی ان قربانیوں اور جانی نذرانوں کے نتیجہ میں صرف یہی نہیں کہ روس کی سپر قوت ختم ہوئی اور بیس سے زائد ریاستوں کو آزادی نصیب ہوئی بلکہ تقریباً ان 15 لاکھ نفوس قدسیہ کی قربانیوں کے نتیجہ وصلہ میں افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت قائم ہوگئی، جس کی برکت سے ہر شہری کی جان ومال وعزت وآبرو دین وایمان محفوظ ہوئے اور ملک میں ایک مثالی امن قائم ہوا۔ چونکہ مغربی ممالک بالخصوص امریکہ کے 5 مقاصد تھے اور اب بھی ہیں، یعنی:

(۱) اپنے سرمایہ دارانہ کافرانہ سودی نظام کا تحفظ ومضبوطی۔

(۲) اپنی جمہوریتِ ملعونہ کا نظام دنیا کے ہر ہر ملک میں نافذ وقائم رکھنا۔

(۳) دنیا کے ہر ملک کے حکمرانوں اور فوج کو اپنی لونڈی اور زرخرید غلام بنانا۔

(۴) دنیا کے ہر ملک کے حکمران بظاہر کوئی بھی ہوں لیکن احکامات اور فیصلے ان مغربی متکبر مغرور مغربیوں کے ہی ہوں۔

(۵) دنیا کے ہر ملک کے وسائل پر قبضہ۔

ان مقاصد کے حصول میں مغربی ممالک کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ روس کی سپر قوت اور اس کا اشتراکی نظام تھا۔ مغربی ممالک کو یقین تھا کہ اس کا خاتمہ مجاہدین ہی کر سکتے ہیں تو انہی مقاصد کے حصول کے لئے سب اہل مغرب بشمول امریکہ اور اسلامی ممالک، بالخصوص برائے نام وہ اسلامی ممالک جن کے ہاں خود بھی سرمایہ دارانہ کافرانہ سودی نظام نافذ تھا اور آج تک وہی نافذ ہے، یہ سب کے سب مجاہدین کے ایسے فیاض دوست بنے کہ مجاہدین کی ہر تنظیم کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ جدید اسلحہ کے ذخائر باعث تعجب تھے تو غذائی اشیاء کے ڈھیر بھی حیرت انگیز۔ علاوہ ازیں افغانستان کے پڑوسی ملک پاکستان میں تو جہاد کے چرچے کا یہ عالم تھا کہ مرد وخواتین، وکلاء، بزنس مین، صنعت کار، جاگیردار، مزدور، دینی ودنیوی تعلیمی اداروں کے اساتذہ وطلبہ اور ملک کے بڑے بڑے اہل علم ومفتیان کرام اور ملک کے اخبارات وجرائد یہ سب کے سب مجاہدین کے لئے بڑی مقدار میں چندے اور فنڈز جمع کر کے مجاہدین تک پہنچاتے رہے۔

اس دوران کسی بھی جہادی تنظیم کا قائد یا کمانڈر کسی بیرونی ملک بالخصوص پاکستان آتا جاتا تو اس کے اعزاز میں بڑے بڑے ہوٹلوں اور جامعات میں پروگرام منعقد کئے جاتے۔ اور جب مجاہدین کی قربانیوں کے نتیجہ میں افغانستان میں طالبان کی حکومت قائم ہوئی تو پاکستان کے ارباب فتویٰ وشیوخ اور جامعات کے مہتممین حضرات نے افغانستان کے دورے شروع کئے اور ہر ایک یہ تاثر دیتا رہتا کہ امیر المؤمنین اور امارت اسلامیہ کا میں ہی بڑا مقرب

ہوں اوران سب کے بیانات اطرائی المدح اور "یحبون أن یحمدوا بمالم یفعلوا" کا مظہر ہوتے تھے،اور زبان حال سے یہ فرماتے:

(ویوم الفتوح من تعاجیب ربنا)

لیکن دوسری جانب مغربی اتحاد بشمول امریکہ نے جب دیکھا کہ یہ تو مکمل اسلامی نظام خلافت راشدہ کے طرز پر قائم ہو رہا ہے اور یہ ہم سب بلکہ پوری دنیا کو اپنے اندر سمیٹ لے گا اور ہمارا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا کیونکہ خلافت راشدہ کے نظام کے مقابلہ میں ہمارے کافرانہ نظام سراب اور ھباء منثورا ہے تو اس کی "فیاضی" کا رخ اسلامی ممالک کے حکمرانوں اور ان کی فوج ودیگر ایجنسیوں اور ملک کی بااثر شخصیات اور میڈیا کی طرف ہو گیا۔

ان سب کو اپنی "فیاضی" سے مالا مال کرنے اور اپنے شکنجے میں لینے کے بعد طاغوت اکبر بش علیہ ماعلیہ نے صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔اس اعلان کو بے حس مسلمانوں نے کوئی اہمیت نہیں دی لیکن اس اعلان نے 42 مغربی ممالک کے حساس کفار کو طاغوت اکبر امریکہ کی قیادت میں جمع کر کے طالبان کی اسلامی حکومت پر حملہ کروا دیا۔دوسری جانب مجاہدین تعاون کی امیدیں اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے رکھ سکتے تھے یا پھر ان ملکوں کے مسلمانوں بالخصوص دینی مدارس کے علماء سے۔حکمران تو کفار کی "فیاضی" اور شدید دباؤ میں آ کر رب کائنات کے ایسے غدار بنے کہ جس کی مثال ماضی میں ملنا مشکل ہے۔ان اتحادیوں نے پاکستانی حکمرانوں اور پاکستانی فوج سے دو کام لئے:

(۱)افغانستان میں امریکی اتحاد کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کو گرفتار کر کے پہلے خود اذیتیں دیں پھر ان اذیتناک سزاؤں کے بعد امریکہ کو فروخت کر دیا اور حکمران اس پر فخر بھی کرتے رہے کہ ہم نے اتنے دہشت گردوں کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا۔

(۲)وزیرستان،سوات،بونیر بلکہ پاکستان کے ہر خطہ کے مجاہدین کا رخ افغان

مجاہدین کے تعاون اور اتحادیوں کے خلاف لڑنے سے ہٹا کر پاکستان کی طرف موڑ دیا اور وزیرستان،سوات،بونیر وغیرہ میں مجاہدین کے خلاف آپریشن شروع کروا کے یہاں کے مجاہدین کو پاکستان میں ہی پھنسا دیا تاکہ افغانستان کے مجاہدین تن تنہا رہ جائیں۔

باقی رہے پاکستان کے عام مسلمان تو ان کو اتنا دبایا گیا کہ وہ کسی مجاہد یا جہاد کا نام لینے سے بھی گھبرانے لگے۔اگر کسی شخص نے کسی مجاہد کو کھانا کھلایا،پانی پلایا یا علیک سلیک کی تو اس شخص کا سب کچھ تباہ کر دیا۔مکان ، باغات،اس کی زرعی زمینیں وغیرہ تمام املاک تہس نہس کر دی گئیں۔ حتی کہ لاکھوں انسانوں کو اپنے اپنے علاقوں سے ہجرت پر مجبور کر دیا اور یہاں کے باشندوں کی عزت تک محفوظ نہ رہی۔ بہرحال یہ ایک لمبی داستان ہے جس کو آئندہ آنے والا مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ باقی رہے علماء تو ان کے تین گروہ بن گئے ،اور ان میں ہر ایک گروہ افغانستان کے جہاد سے منہ موڑتے ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے زبان حال سے گویا یہ کہہ رہا ہے:

(الا انه من بلدة الخوف انجاني)

(۱)ایک گروہ علماء کا تو مجاہدین کا حتی المقدور تعاون کرتا رہا۔

(۲)اور ایک گروہ نے ایسا سکوت اختیار کیا کہ ماضی کی علمی دنیا میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

(۳)اور ایک گروہ علماء کا ایسا بنا کہ خود تو تھے ہی مداہن فی الجہاد لیکن مجاہدین کو بھی مداہن بنانے اور ان کا دل توڑنے اور جہاد سے متنفر کرنے کے درپے ہو گئے۔اس گروہ کے مفتیان کرام،مدرسین عظام،مسند تدریس پر فائز حضرات نے مجاہدین کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کرتے ہوئے مختلف الزامات لگانا شروع کر دیئے۔کبھی فرماتے ہیں کہ مجاہدین بیوقوف ہیں اور ان میں بعض محققین فرماتے ہیں کہ مجاہدین کے پاس کوئی طاقت نہیں بلاوجہ اپنے سر پھوڑنے

کے لئے حکمرانوں سے ٹکر لے رہے ہیں اور اس سے نقصانات ہی مرتب ہو سکتے ہیں نہ کہ فوائد۔ کبھی فرماتے ہیں کہ یہ جذباتی ہیں اور کبھی فرماتے ہیں کہ مجاہدین کی قیادت کا تعلق تکفیری فرقہ سے ہے۔

رفع الاشتباہ

مجاہدین شیشان کے ہوں یا صومالیہ کے، امارت اسلامی افغانستان کے طالبان ہوں یا پاکستان کے مجاہدین، القاعدہ کے سرفروش ہوں یا مجاہدینِ کشمیر، ان سب کے متعلق عوام اور بالخصوص عرب ممالک کے مراعات یافتہ علماء اور پاکستان کے متکاسلین اور مداہنین فی الجہاد علماء کا یہ ایک سطحی غیر تحقیقی غیر سنجیدہ غیر معلوماتی خیال ہے کہ ہر ملک کے مجاہدین جذباتی نوجوانوں کی جماعت پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جذبات کے علاوہ ان میں نہ کوئی عقل ہوتی ہے نہ شعور، نہ کوئی تدبر ہے نہ کوئی سنجیدگی، اور نہ ہی ان میں کسی سے مشورہ لینے کا جذبہ ہے بلکہ صرف ان کے جو بڑے کمانڈر کہتے ہیں اسی پر چلتے ہیں اور ان ہی کی مانتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ان ممالک کے سب مجاہدین کا نظام جہاد وہی ہے جو فقہ حنفی کا نظام ہے۔ فقہ حنفی کا نظام شورائی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دور میں ایک ہزار علماء علوم دینیہ اور بالخصوص احادیث اور تفسیر کے ماہرین موجود تھے ان میں سے چالیس علماء کا انتخاب کیا جب بھی کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے اخذ کیا جاتا تو پہلے وہ مسئلہ ان چالیس علماء کے سامنے پیش ہوتا اور وہ جمع ہو کر ہر ہر مسئلہ پر ادلہ شرعیہ کی روشنی میں غور فرماتے۔ جب کسی مسئلہ پر متفق ہو جاتے تو امام صاحبؒ اپنے خاص شاگرد امام ابو یوسفؒ یا امام محمدؒ کو حکم فرماتے کہ اس مسئلہ کا اندراج کر دو۔ اگر اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو امام شعرانیؒ کی کتاب ''المیزان'' میں دیکھی جاسکتی ہے نیز ''در مختار'' وغیرہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، علاوہ ازیں امام ابوجعفر الشیر ماذی علامہ شفیق البلخی کے حوالے سے بھی یہی لکھتے ہیں (یہ ساری تفصیل فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد اول میں دیکھی جاسکتی ہے)

لہٰذا ہمارے دور کے ہر ملک کے مجاہدین نے جہاد کا یہی شورائی نظام اپنایا ہے۔ علماء کی تعداد کہیں چالیس اور کہیں چالیس سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور سب کے سب فنون جہاد اور اصول جنگ کے ماہر ہوتے ہیں، اسی لئے جہاد کے معاملہ میں ان کے علاوہ کسی مفسر کسی محدث کسی فقیہ کسی مفتی کو فتویٰ دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ اسی لئے اگر کوئی مفتی یہ فتویٰ دے کہ وزیرستان یا کسی اور ملک کا جہاد شرعی جہاد نہیں ہے تو شرعاً اس کے فتویٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسی بنیاد پر امام احمد بن حنبلؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ اور دیگر آئمہ نے صاف لکھا ہے کہ جہاد کے متعلق فتویٰ نفیاً ہو یا اثباتاً، فتویٰ طریقہ کار سے متعلق ہو یا جہاد کے کسی اور شعبہ سے یہ صرف ان علماء کا حق ہے جو عملاً جہاد سے متعلق بھی ہوں اور اصول حرب اور فنون جہاد کے ماہرین بھی ہوں۔

اس وقت بندہ کو تکفیر اور تکفیری فرقہ کے متعلق کچھ گذارشات پیش کرنی ہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا الزامات میں سے یہ الزام واتہام کچھ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس الزام سے مجاہدین کافی متاثر ہو رہے ہیں۔

اس تمہید کے بعد ہماری یہ گذارشات ایک مقدمہ تین ابواب اور تکملہ پر مشتمل ہوں گی۔

مقدمہ میں چند بنیادی امور بیان کئے جائیں گے باب اول، چند قواعد کلیہ وضوابط تکفیر اور ضروریات دین، وامور قطعیہ اور ان کی چند امثلہ پر مشتمل ہوگا۔ باب دوم میں اقوال مؤیدہ ذکر کئے جائیں گے۔ باب سوم میں مسئلہ ولاء وبراء کی مکمل تحقیق پیش کی جائیگی۔

مقدمہ

مقدمہ میں چند بنیادی امور کا ذکر ہوگا:

(۱) قرآن عظیم اور احادیث مبارکہ میں مختلف عنوانات وتعبیرات اور طرق واسالیب کے ساتھ جہاد کی ترغیب وتحضیض کا حکم اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو دیا ہے، اور فرمایا: ﴿حرض المؤمنين على القتال﴾ الآية وغيرها من الآيات۔

اور احادیث کی تمام کتب کے ابواب الجہاد والسیر تو ہیں ہی ترغیب وتحضیض کے لئے، لیکن بعض مراعات یافتہ عرب علماء، اور عجم کے وہ علماء جو کہ اپنے مکروفریب یا اپنی بزرگی جتانے یا مدرسے کے طلباء اور مدرسین کی تعداد میں مبالغہ آمیزی سے یا اپنی تعلیمی وتدریسی خدمات بڑھا چڑھا کر پیش کرنے سے اوساخ الناس کے قناطیر المقنطرۃ میں عیش وعشرت اور نازونعم میں مخمور زندگی گذارنے والے ہیں اور دوسرے ممالک کے اہل علم اپنے عقلی ہذیانات اپنے محققانہ اور خیرخواہانہ انداز کا تأثر دیتے ہوئے ان ترغیبی اور تحضیضی نصوص کی مخالفت وتردید چند طرق سے کرتے ہیں:

(۱) آج کل جہاد سے بلاد تباہ ہوجاتے ہیں۔

(۲) امن وسکون کی نعمت جہاد سے ختم ہوجاتی ہے۔

(۳) خود مجاہدین مرجاتے ہیں کفار کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

(۴) مجاہدین جاہل ہیں، جذباتی ہیں اور ہر قسم کے شعور سے عاری ہیں۔

(۵) بے گناہ افراد مرجاتے ہیں۔

(۶) ان حضرات کا سب سے بڑا الزام واتہام مجاہدین پر یہ ہے کہ مجاہدین خارجی اور تکفیری ہیں، اور جن ممالک کا آئین (اسلامی قوانین کے برخلاف) انگریزی وفرانسیسی وغیرہ قوانین پر مشتمل ہے، یہ سب ان مجاہدین کے نزدیک کفر ہے۔ ان خلاف شریعت قوانین کے بنانے والے، نافذ کرنے والے، اور ان قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے سب کے سب ان مجاہدین کی نظر میں کافر ہیں، ان کے نزدیک ایسے حکمرانوں کے خلاف خروج فرض ہے اور جہاد کرکے ان کا معزول کرنا شرعاً واجب ہے۔ اس بنیاد پر مخالفین فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ نظریہ خوارج اور معتزلہ کا ہے لہٰذا مجاہدین کا تعلق بھی خوارج سے ہے!

(۲) مذکورہ بالا عرب وعجم کے یہ علماء مجاہدین پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ: مجاہدین کے نزدیک تمام کفار سے برأت واجب ہے اور ان سے دوستی (ولاء) حرام اور کفر ہے، اور یہ نظریہ خارجی تکفیری فرقہ کا ہے۔

(۳) ان علماء کا یہ بھی الزام ہے کہ: مجاہدین ایسے حکام کو طاغوت قرار دیتے ہیں جو قرآن وحدیث کے قوانین واحکام کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین واحکام کے مطابق فیصلے کرتے اور کراتے ہیں۔

(۴) سب سے بڑا باعث تعجب اور حیرت ناک یہ امر ہے کہ عالم عرب کے مراعات یافتہ علماء نے، جن میں سرفہرست ''فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان'' ہیں جنہوں نے مجاہدین کے خلاف اور موجودہ جہاد کے رد میں ''الفتاوى الشرعية في القضايا العصرية'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں مذکورہ بالا الزامات پر، بالخصوص مجاہدین کے تکفیری اور فرقہ باطلہ خوارج کے ہم مشرب ہم مسلک ہونے پر، بڑا زور دیا گیا ہے۔ کتاب 249 صفحات پر مشتمل ہے، کتاب میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملہ کی نہ مذمت ہے اور نہ اس پر اظہار

افسوس اور نہ افغانستان وعراق کے مظلوم عوام اور نہ اسلام کے غلبہ کے لئے دعائیہ کلمات ہیں۔

بلکہ کفار کو بد دعاؤں سے بچانے کے لئے فتوی دیا گیا ہے کہ ﴿ان کفرۃ الفجرۃ﴾ کی تباہی کے لئے قنوت نازلہ کا پڑھنا وقت کے بادشاہ وحاکم کی اجازت کے بغیر ناجائز ہے۔ شیخ صالح بن فوزان الفوزان نے یہ بھی فتوی دیا ہے کہ مجاہدین کو کچلنے کے لئے اسلامی ملک کا کوئی بھی حاکم کسی بھی کافر سے مدد لے سکتا ہے، (چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی) حالانکہ یہ سب کے سب حضرات مجاہدین بالخصوص القاعدہ کے ہم مشرب وہم مسلک ہیں، کیونکہ یہ سب کے سب نجدی مسلک کے لوگ ہیں، طرفہ نے صحیح کہا ہے:

وظلم ذوی القربی أشد مضاضة   علی المرء من نقع الحسام المهند

(۵) مجاہدین پر لگائے گئے ان الزامات کے جواب سے قبل ضروری ہے کہ جتنے بھی فرقے ہیں ان میں سے ہر ایک کے تکفیر اور اکفار کا معیار اور ضابطہ پیش کیا جائے، اور یہ ضابطہ تب ہی سمجھ میں آئیگا کہ پہلے ہر فرقہ کا ایمان کے بارے میں نظریہ اور ہر فرقہ کے نزدیک ایمان کی حقیقت واضح کی جائے:

فرق باطلہ اور اہل حق کا معیار اکفار وتکفیر

ہمارے یہاں آٹھ فرقے مشہور ہیں۔ ہر ایک کے نزدیک ایمان کی حقیقت الگ الگ ہے:

(۱) فرقہ مرجئہ: ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، تو ان کے نزدیک تکفیر کا معیار تکذیب ہی ہوگا۔

(۲) فرقہ جہمیہ: ان کے مذہب میں ایمان صرف معرفت کا نام ہے، تو ان کے مذہب میں تکفیر کا معیار جہل اور عدم معرفت ہوگا۔

(۳) فرقہ کرامیہ: ان کے مسلک میں ایمان کی حقیقت صرف اقرار ہے، تو ان کے

مذہب میں معیارِ تکفیر صرف انکار ہوگا۔

ان تینوں مذاہب میں تکفیر کی بالترتیب یہ صورتیں ہیں: فقدان تصدیق اور تحققِ تکذیب، فقدانِ معرفت اور تحققِ جہل، فقدانِ اقرار وتحققِ انکار ہوگا۔

لیکن ان سب امور کا تعلق صرف قلب سے ہے، اور عالم الغیب اور علیم بذات الصدور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لہٰذا ان فرقوں کے نزدیک اکفار اور تکفیر کا یقینی معیار کوئی نہیں ہے۔ البتہ کرامیہ کے مذہب میں عدم اقرار اور انکار معیار بن سکتا ہے لیکن وہ اقل القلیل ہے۔

فرق باطلہ میں فرقہ نمبر چار اور پانچ معتزلہ اور خوارج کا ہے۔ ان کے مذہب میں ایمان کی حقیقت تصدیق واقرار اور اعمال کا مجموعہ ہے۔ یہ حضرات اعمال کو ایمان کے اجزاء مقومہ تسلیم کرتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے انتفاء سے کُل کا انتفاء لازم آتا ہے۔

لہٰذا ان کے مذہب میں اکفار اور تکفیر کا معیار کسی بھی واجب کا ترک اور کسی بھی حرام کا ارتکاب ہے۔ اسی بنیاد پر ان کے نزدیک کسی بھی ملک کا حاکم کبائر کا مرتکب ہو یا مخلوق خدا پر ظلم کا یا تارکِ واجب ہو تو اس کے خلاف خروج اور جہاد وقتال ضروری ہے اور ملک کے ہر ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ ایسے حاکم کو معزول کردے۔

ایمان کی حقیقت کے بارے میں اہل حق کا مسلک

اہل حق کے تین فرقے ہیں:

(۱) ایمان کی حقیقت کے بارے میں محدثین کا مذہب:

محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت تصدیق واقرار اور اعمال کا مجموعہ ہے۔ بظاہر ان کے نزدیک اعمال ایمان کے اجزاء ہیں۔ لیکن یہ حضرات معتزلہ اور خوارج کی طرح اجزاء حقیقیہ ومقومہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اجزاء مکملہ اور مزینہ کے قائل ہیں جن کے انتفاء سے کُل کا انتفاء

لازم نہیں آتا۔

(۲) ایمان کی حقیقت کے بارے میں متکلمین کا مذہب:

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ: ''الایمان ھو التصدیق'' اوران کے نزدیک اقرار شرط ہے اجراءِ احکام دنیویہ کے لئے، مثلاً نماز جناہ اور تدفین فی قبور المسلمین وغیرہ۔

(۳) ایمان کی حقیقت کے بارے میں فقہاء کا مذہب:

فقہاء کے نزدیک ایمان تصدیق اور اقرار دونوں کا نام ہے، اور یہ دونوں ایمان کے رکن ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تصدیق رکن لازم اور دائمی ہے، اور اقرار رکن لازم نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھار اقرار ساقط بھی ہوجاتا ہے، جیسے حالت اکراہ وغیرہ میں۔

تنبیہ: متکلمین اور فقہاء کے نزدیک اعمال کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی محدثین کے نزدیک ہے۔ یعنی متکلمین اور فقہاء اعمال کے اجزاء مکملہ اور مزینہ ہونے سے انکار نہیں کرتے، صرف اجزاء مقومہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اہل حق (متکلمین، محدثین، فقہاء) فرق ثلاثہ باطلہ (مرجیہ، کرامیہ، جہمیہ) جیسے ہیں؟ جن کے نزدیک عقائد واعمال، اوامر ہوں یا نواہی، ان کے دل میں ان کی نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی ان کو ترکِ واجبات وارتکابِ حرام ومعاصی پر حمیتِ دینی و غیرت آتی ہے اور نہ افسوس ہوتا ہے۔ نہ ان کے نزدیک تکفیر واکفار کا کوئی معیار ہے نہ کوئی ضابطہ، بلکہ ان کو معیارِ تکفیر کی ضرورت ہی نہ ہو، فرق ثلاثہ باطلہ کی طرح، کیوں کہ یہ لوگ احکام خداوندی کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے، تو تکفیر کس بات پر؟ ان کی مثال دیکھنی ہو تو ہمارے دور کے بعض مداہنین فی الجہاد علماء اور سیاستدانوں کو دیکھ لیا جائے، ان کے اہدافِ زندگی صرف اتنے ہی ہیں کہ ان کی ریاستِ علمی اور پارلیمنٹ کے راستے بند نہ ہوں۔ یہی ان کا مقصد ہے، باقی اسلامی

ممالک سب کے سب کفار کے قبضے میں چلے جائیں اور کفار کا تسلط قائم ہوجائے اور مجاہدین پر جو بھی گزرے، گزرتا رہے، اسلام کے ساتھ جو کچھ بھی ہو، ہوتا رہے، لیکن ان کی ریاستِ علمی اور پارلیمنٹ کے راستے کھلے رہیں، ان کو اسی میں لطف آتا ہے، ان دعوؤں کے ساتھ کہ ہم دین اور قوم کی بڑی خدمت کررہے ہیں۔

یا یہ اہل حق (محدثین، متکلمین، اور فقہاء) فرق باطلہ معتزلہ اور خوارج جیسے ہیں جنہوں نے اللہ سے امیدوں اور اللہ کی رحمتوں اور اللہ کی معافی اور غلطیوں سے درگزر اور رحمٰن ورحیم کے رحم وکرم کے سارے راستے بند کردیئے ہیں، اور ﴿ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء﴾ نیز ﴿ولا تقنطوا من رحمة اللّٰہ﴾ اور ﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره﴾ اور (الایمان بین الخوف والرجاء) وغیرھا من النصوص القرآنیة والأحادیث النبویة کو زاویہ اہمال میں ڈال دیا ہے۔

(۱) اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ اہلِ حق، فرقِ ثلاثہ باطلہ جیسے بھی نہیں ہیں جن کے تکفیر کا کوئی معیار ہی نہیں ہے، اور اگر ہے بھی تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے، کیونکہ مرجیہ کے نزدیک تکذیب تکفیر کا معیار ہے اور جہمیہ کے نزدیک جہل ہے، اور یہ دونوں امور قلبی ہیں۔ لہٰذا یہ نہ ہونے کے برابر ہے، اور انکار تو ہے ہی اقل القلیل، لہٰذا یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ اہل حق تکفیری ہی نہ ہوں اور نہ ان کے اکفار کا کوئی معیار وضابطہ ہو۔

(۲) اور یہ اہل حق چونکہ ایمان بجمیع ما جاء بہ النبی پر ضروری قرار دیتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک تکفیر کا معیار اور ضابطہ بھی ایک جامع مانع کلیہ ہونا چاہئے تاکہ التصدیق بجمیع ما جاء بہ النبی کا صحیح مقابل ہو اور ایمان و کفر ایک دوسرے سے ممتاز ہوجائے۔ اہل حق کا معیارِ تکفیر معتزلہ اور خوارج کے معیارِ تکفیر جیسا نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ بدیہی البطلان ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اعمال، ایمان کے اجزاءِ حقیقیہ اور مقومہ ہیں، جن میں سے کسی ایک جزء کے انتفاء سے کل

کا انتفاء لازم آتا ہے۔ مثلاً ان کے نزدیک کسی واجب کے ترک یا کسی حرام کے ارتکاب سے ایمان ختم ہو جاتا ہے جبکہ اہل حق میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، بجز نماز کے، اس لئے کہ بعض محققین کے نزدیک نماز کے انتفاء سے ایمان کا انتفاء لازم آتا ہے، فافہم!

اب اہل حق (محدثین، فقہاء اور متکلمین) کا اکفار و تکفیر کا معیار تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے:

اس سلسلہ میں اہل حق کے ضابطہ تکفیر اور اکفار کا معیار حضرت استاذ الاساتذ امام العصر حضرت العلامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی کتاب ''اکفار الملحدین'' سے بڑھ کر کوئی جامع کتاب نہ ماضی میں معرض وجود میں آئی ہے اور نہ مستقبل میں شاید آسکے، اسی کی بنیاد پر اس معیار اور ضابطۂ تکفیر کی تحقیق بندہ نے نقل کی ہے جس میں مذاہب اربعہ کے علاوہ دیگر محققین، مفسرین و محدثین کے اقوال بالاستیعاب جمع کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا صحیح مقام معلوم کرنا ہو تو محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کا مقدمہ ملاحظہ کیا جائے جس میں مصنِّف اور مصنَّف دونوں کا مقام صحیح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز حضرت شاہ صاحب کی کتاب اکفار الملحدین کے مترجم مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی، استاذ مدرسہ عربیہ کراچی کے تأثرات بھی ملاحظہ کئے جائیں۔ اس سلسلہ کی دوسری کتاب ''فتنۂ انکارِ حدیث'' جس کو حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ سابق رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن (کراچی) نے غلام احمد پرویز اور دیگر منکرینِ حدیث کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں مرتب کیا ہے۔ اس استفتاء کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے نہایت ہی مفید قواعد و ضوابطِ تکفیر مرتب فرمائے ہیں اور پھر اس کی تقریظ میں ایک ہزار چوبیس علماء سے توثیقی دستخط کرائے ہیں۔ نیز اسی استفتاء کے جواب میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے جوابات مرتب فرمائے ہیں اور پھر ان جوابات کی تائید میں مختلف عرب ممالک کے علماء کے تائیدی دستخط لئے ہیں۔ ان مؤیدین علماء نے بھی نہایت ہی قیمتی اصول و ضوابط اور قواعد ذکر فرمائے ہیں جو عنقریب قارئین کے سامنے

وضاحت کے ساتھ آئیں گے۔ اس سلسلہ میں تیسری کتاب ''احکام المرتدین فی الشریعۃ الاسلامیۃ'' جامعہ بغداد سے نعمان عبدالرزاق السامرائی نے نہایت ہی تحقیقی کتاب اور اس میں ارتداد کے اسباب اور مرتد کے احکام کے بارے میں مرتب فرمائی ہے۔ انشاء اللہ اس کے بھی اقتباسات شامل کئے جائیں گے۔

اکفار الملحدین کے مصنف حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے ایک تنبیہ:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''بہر حال سن لیجئے کہ جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا دین کے خلاف ہے اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا اور اس کے کفر سے چشم پوشی کرنا بھی دین کے خلاف ہے۔ یہی اعتدال کی راہ ہے (کہ مسلمان کو مسلمان کہئے اور کافر کو کافر) اس زمانہ میں عام طور پر لوگ افراط اور تفریط میں مبتلا ہیں (ایک طرف اچھے بھلے مسلمانوں کو کافر بنانے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف کھلے ہوئے کافروں کو مسلمان کہنے اور ان کو سینے سے لگانے میں منہمک ہیں)۔

نیز علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے بھی فرمایا ہے کہ: ''یہ دین نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہا جائے اور نہ ہی یہ دین ہے کہ کسی کافر کو کافر نہ کہا جائے اور اس کے کفر سے چشم پوشی کی جائے۔ آج کل لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں اور کسی نے سچ کہا ہے کہ: جاہل یا افراط میں مبتلا ہوگا یا تفریط میں...... ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم''۔ (اکفار الملحدین مترجم ص: ۲۲، ۲۳)۔

مرتب کہتا ہے کہ: تعجب اس بات پر ہے کہ مداہنین فی الجہاد اہلِ تفریط اپنی تفریط سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مجاہدین کی طرف افراط کی نسبت کرتے ہیں اور مجاہدین کو خوارج قرار دیتے ہیں۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے یہ بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ:

"جو شخص کسی کافر و مرتد کو تاویل کر کے مسلمان ثابت کرے
یا کسی یقینی کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔"

چنانچہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا بیان میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ جو شخص یمامہ والوں کے حق میں تاویل کر کے ان کو مسلمان ثابت کرے وہ کافر ہے اور جو شخص کسی قطعی اور یقینی کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ (اکفار الملحدین مترجم :ص:۲۱۷)۔

مرتب کہتا ہے کہ: جیسا کہ قوانین شرعیہ کو ناکافی اور اس دور کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر اور ترقی میں رکاوٹ کہنے والوں کو کافر نہ کہے۔

نیز اکفار الملحدین کی جامعیت کے متعلق علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"خلاصہ یہ ہے کہ اس گوناگوں اور نت نئے فتنوں کے دور میں کہ کہیں مرزائیت کا فتنہ ہے تو کہیں خاکساریت کا کہیں پرویزیت کا فتنہ ہے تو کہیں فضل الرحمٰن کی مستشرقانہ تحقیقات کا، اگر ایسی محققانہ اور جامع کتاب نہ ہوتی تو آج کفر و ایمان کا مسئلہ شدید بحران اور پورے اشتباہ میں پڑا ہوتا اور دور حاضر کے علماء میں سے کسی عالم کے بس کا نہ تھا کہ ایسا مدلل و منقح اور بصیرت افروز محققانہ ذخیرہ جمع کر سکے کہ ہر فتنہ کی سرکوبی و تردید کے لئے کافی ہو، اور امت کے ذمہ یہ "فرض کفایہ" یونہی رہ جاتا لیکن الحمد للہ علی احسانہ یہ مسئلہ اتنا واضح ہو گیا کہ اب کسی کے لئے کوئی شک وشبہ کی گنجائش اور عذر باقی نہیں رہا۔

نیز مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ نے بھی اکفار الملحدین کی جامعیت کے متعلق فرمایا ہے:

"زیر نظر کتاب اکفار الملحدین فی شیء من ضروریات الدین کا ہدف اولین تو اگرچہ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ اور "مرزائی امت" ہے مگر جو دلائل و براہین اور اقتباسات و حوالہ جات حضرت شیخ قدس سرہ نے اس رسالہ میں جمع فرمائے ہیں وہ الحاد و زندقہ کی

جملہ انواع و اقسام کی تردید پر حاوی اور ملحدین و زنادیقین کے جملہ افراد و فرق کے استیصال کے لئے کافی و دافی ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتنۂ مرزائیت کے بہانے ایک ایسی جامع وہمہ گیر تصنیف کی توفیق حضرت شیخ رحمہ اللہ کو عطاء فرمادی جو رہتی دنیا تک ہر قسم کے فتنوں کی تردید و سرکوبی کے لئے ایک محکم اور جامع دستاویز ہے۔ انشاء اللہ قیامت تک تمام فتنوں کی بیخ کنی کے لئے اہل حق اس سے اتنا فائدہ اٹھائیں گے کہ اس کے دلائل و براہین اور نقول و اقتباسات اور حوالہ جات کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت شیخ قدس سرہ نے اس موضوع سے متعلق متقدمین و متاخرین کی تصانیف میں کوئی قابل ذکر چیز چھوڑی ہی نہیں اور الحاد و زندقہ کی تردید و افحام سے متعلق اتنے دلائل و براہین جمع کر دیئے ہیں کہ ان پر اضافہ مشکل ہے تو بیجا نہ ہوگا۔"

نیز علامہ میرٹھی رحمہ اللہ مترجم کتاب اکفار الملحدین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"صریح کفریہ عقائد رکھنے والے اور کفریہ اقوال و اعمال کا ارتکاب کرنے والے "نام نہاد" مسلمان افراد یا فرقوں پر جب علماء حق کفر کا حکم اور فتویٰ لگاتے ہیں تو احتیاط کوش اور تساہل پسند علماء ان کی تکفیر سے یہ کہہ کر احتراز کرتے ہیں کہ: "مؤول کی تکفیر شرعاً جائز نہیں ہے" اور خود وہ لوگ بھی علماء حق کے مقابلہ پر اس فقرہ کو بطور "سپر" استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت مصنف قدس اللہ سرہ "تکفیر اہل قبلہ" کی طرح اس مسئلہ "تاویل" پر بھی ایک مستقل عنوان اور باب قائم کر کے علماء محققین کے اقوال و آراء پیش فرماتے ہیں اور اس مسئلہ کی مکمل تنقیح اور تحقیق فرماتے ہیں۔ (اکفار الملحدین مترجم حاشیہ :ص ۱۵۸)۔

نیز مترجم علام نے فرمایا کہ مذکورہ بالا مباحث کا خلاصہ چند امور ہیں:

(۱) امت مسلمہ کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ ضروریات دین یعنی وہ مجمع علیہ عقائد و احکام جن کا دین رسول اللہ (علیہ الصلاۃ والسلام) ہونا قطعی اور یقینی ہے ان میں سے کسی ایک کا

انکار بھی کفر ہے اور منکر قطعاً کافر ہے، اگر چہ وہ قبلہ سے منحرف نہ بھی ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو۔

(۲) کفرِ صریح یعنی کفریہ عقائد و اقوال و اعمال کا ارتکاب قطعاً کفر اور ان کا مرتکب یقیناً کافر ہے اگر چہ وہ خود کو مسلمان سمجھتا ہے اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادات و احکام شرعیہ کا پابند ہو۔

مرتب کہتا ہے کہ: متکاسلین فی الجہاد اور مداہنین احتیاط کوش اور تساہل پسند حضرات ان عبارات کو غور سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

(۳) متکلمین کی اصطلاح ''اہل قبلہ'' سے مراد وہ مومنِ کامل ہے جو رسول اللہ کے لائے ہوئے پورے دین پر ایمان رکھتا ہو۔ کفریہ عقائد و اعمال کا ارتکاب کرنے والے یا ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے انسان کو ''اہل قبلہ'' میں سے ماننا یا کہنا یا ناواقفیت پر مبنی ہے یا فریب اور دھوکہ ہے۔

(۴) ''اہل قبلہ'' کی اصطلاح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جس روایت سے ماخوذ ہے اس کا تعلق امیر یا حاکم سے ہے نہ کہ عام مسلمانوں سے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امیر یا حاکم جب تک ''شعائر دین'' کا احترام کرتا رہے اس کی اطاعت واجب اور اس کے خلاف بغاوت ممنوع ہے۔ لیکن اگر وہ بھی ''کفرِ صریح'' کا ارتکاب کرے تو اسلام سے خارج اور اس کے خلاف بغاوت جائز ہے۔

(۵) ''لا نكفر أهل القبلة'' یا ''اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں'' یہ ائمہ اہلسنت میں سے ہرگز کسی کا قول نہیں بلکہ جاہلوں یا زندیقوں اور ملحدوں کا گھڑا ہوا مقولہ ہے۔

(۶) ائمہ کا مقولہ ''لا نكفر احداً بذنب'' ہے اور ذنب سے مراد گناہ اور معصیت ہے اس لئے کہ ائمہ سے یہ مقولہ خوارج اور معتزلہ کی تردید کے ذیل میں منقول ہے جو کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے ہر مومن مسلمان کو کافر اور ایمان و اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اس مقولہ کو کسی کفرِ صریح کا ارتکاب کرنے والے یا ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے مسلمان

کے حق میں استعمال کرنا کھلا ہوا فریب اور دھوکہ ہے یا خالص ناواقفیت اور لاعلمی۔

(۷) ضروریاتِ دین کے انکار میں کوئی تاویل مسموع اور معتبر نہیں۔ اس لئے کہ جو تاویل قرآن، حدیث، اجماع امت یا قیاسِ جلی کے خلاف ہو وہ قطعاً باطل ہے۔

نوٹ: اس تحقیق کے مطابق جو لوگ ''تجارتی سود'' کو حلال اور ''سودی کاروبار'' کو جائز کہہ رہے ہیں وہ ضروریاتِ دین کے منکر اور کافر ہیں أعاذنا الله اس لئے کہ "أحل الله البيع وحرم الربوا" قرآن کی نص صریح اور رسول اللہ کے عہد سے لے کر آج تک امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ربوا مطلقاً یعنی سود کسی بھی صورت میں ہو حرام ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ مذاہب اربعہ کے فقہاء اس معاملہ اور کاروبار کو فاسد اور ناجائز قرار دیتے ہیں جس میں ربوا (سود) کا شائبہ بھی ہو ﴿فاعتبروا يا اولى الأبصار﴾ (اکفار الملحدین مترجم حاشیہ: ص ۴۹، ۵۰)۔

مرتب کہتا ہے کہ: یہ مباحث بار بار پڑھنے کے متقاضی ہے۔

نیز علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

''کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر کی ممانعت کا ضابطہ بھی عام نہیں ہے''، الا یہ کہ گناہ سے وہ گناہ مراد لیا جائے جو کفر نہ ہو، تو وہ شخص جس کی تکفیر کسی موجبِ کفر گناہ کی وجہ سے کی جائے وہ تو ضرور اس ضابطہ سے خارج ہوگا (اور اس کو کافر کہا جائیگا)۔ (اکفار الملحدین مترجم: ص: ۴۰)۔

مرتب کہتا ہے:

''مذکورہ بالا عبارات سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ دینِ الٰہی پر غیرت کھانے والے اور اسلامی حمیت کے حاملین کے حق میں یہ کہنا کہ یہ تکفیری نہیں ہیں، ان کی غیرت و حمیت کے فقدان کی نسبت ان کی طرف کرنے کے مترادف ہے۔ اہل حق یقیناً تکفیری ہیں، لیکن اپنے اصول و ضوابط کے تحت جن کی وضاحت روز روشن کی طرح قارئین کے سامنے عیاں ہو جائیگی انشاء اللہ''۔

باب اول

مذکورہ بالا کتب ثلاثہ اکفار الملحدین، فتنۂ انکار حدیث اور احکام المرتدین میں جتنی مثالیں ضروریات دین اور اسبابِ کفر اور اکفار کی مذکور ہوئی ہیں ان کے علاوہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ چند ایسے محققین جو کہ قوانین شرعیہ اور احکامات عدلیہ القضائیہ کے ماہرین ہیں، ان حضرات میں سے چند کی عبارات ضروریات دین کی مزید وضاحت کے لئے پیش کی جاتی ہے، تا کہ خودساختہ قوانین اور خودساختہ قوانین سازوں کا حکم شرعی واضح ہوجائے۔

(۱) سب سے پہلے ابوحفص سفیان الجزائری کی عبارت وتحقیق پیش خدمت ہے:

هذه القوانين الوضعية المعاصرة لم تعرفها الأمة الافى مرحلتين:

وهما الأولى : يوم غلب التتار على بعض بلاد المسلمين وحكموا فيها ما يسمى بالياسق وهو قانون ملفق من مجموع الديانات منها الاسلام .

وسنعرف أقوال الأئمة الذين عاشوا هذه النازلة كشيخ الاسلام بن تيمية والمحدث الحافظ ابن كثير .

والثانى :

هى ما حصل بعد سقوط الخلافة العثمانية من تشتت بلاد المسلمين وخضوعها للقوانين الوضعية الاستخرابية وجعلها مصدراً للتحاكم والتقاضى .

اذا عرفنا هذه الحقيقة الواقعية للقوانين الوضعية ، نبدأ بالبحث عن حكم

الشرع فيها على وفق المنهجية المتفق عليها سابقاً ، والله ولى التوفيق .

اولاً : أقوال العلماء فى هذه القوانين الوضعية المعاصرة ، قبل سرد بعض أقوال أهل العلم فى شأن هذه القوانين الوضعية لابد ان تعرف المقصود من هذه القوانين الوضعية ، وباختصار أقول المقصود من القوانين الوضعية ، تلك القوانين المناقضة لشريعة الله تعالى ، ولا نقصد القوانين الا دارية والتى تنظم المجتمع أو المؤسسات بما لا يخالف شرع الله جل وعلا .

الذين عاصروا هذه القوانين قسمان ، قسم عاصر الياسق ، وقسم عاصر القوانين المعاصرة .

أ ـ الذين عاصروا الياسق : الياسق هو عبارة عن دستور كان يتحاكم اليه التتار ، ففرضوه على الأمة الاسلامية ، فى فترة ضعفها والتى لم تدم طويلاً ، حيث وجد التتار مقاومة من المسلمين ، فدحروهم ، بل ما لبث حتى دخل التتار الاسلام ورضخوا الى شريعة الاسلام ولله الحمد .

وهذه كلمات بعض من عاصر الياسق .

ا ـ شيخ الاسلام ابن تيمية : قال فى قوله تعالى : ﴿أو تقولوا لو أنا أنزل علينا الكتاب لكنا أهدىٰ منهم فقد جاء كم بينة من ربكم وهدى ورحمة فمن أظلم ممن كذب بآيات الله وصدف عنها سنجزى الذين يصدفون عن آياتنا سوء العذاب بما كانوا يصدفون﴾ [الأنعام : ۱۵۷] ذكر سبحانه انه يجزى الصادف عن آياته مطلقاً سوء العذاب سواء كان مكذباً أو لم يكن ، بما كانوا يصدفون ، يبين ذلك أن كل من لم يقر بما جاء به الرسول فهو كافر سواء اعتقد كذبه ، أو استكبر عن الايمان به ، أو أعرض عنه اتباعاً لما يهواه ، أو ارتاب فيما جاء به ، فكل مكذب بما جاء به فهو كافر انتهىٰ . (درء التعارض ج ۱ ص ۲۵) .

وقال ومعلوم بالاضطرار من دين المسلمين وباتفاق جميع المسلمين ان من سوغ اتباع غير دين الاسلام أو اتباع شريعة غير شريعة محمد عليه الصلاة والسلام فهو كافر وهو ككفر من آمن ببعض الكتاب وكفر ببعض كما قال تعالىٰ : ﴿ان الذين يكفرون بالله ورسله ويريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلاً أولئك هم

الكافرون حقاً وأعتدنا للكافرين عذاباً مهيناً﴾ (مجموع الفتاوىٰ ٢٨ ، ٥٢٤) .

وقال رحمه الله تعالىٰ : والانسان متى حلل الحرام المجمع عليه ، وحرم الحلال المجمع عليه ، أو بدّل الشرع المجمع عليه ، كان كافراً مرتداً باتفاق الفقهاء ، انتهىٰ . (مجموع الفتاوىٰ ج ٣ ص ٢٦٧) .

وقال فمن أجاز اتباع شريعة غير شريعة الاسلام وجب خلعه والغيت بيعته وحرمت طاعته ، لأنه فى مثل هذه الحالة يستحق وصف الكفر . (الفتاوىٰ المصرية ص : ٥٠٧) .

(٢) الامام ابن القيم رحمه الله تعالى ، قال فى تفسيره لقول الله تعالىٰ : ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم﴾ فجعل الاعراض عما جاء به الرسول ﷺ ، والالتفات الى غيره هو حقيقة النفاق ، كما أن حقيقة الايمان هو تحكيمه وارتفاع الحرج عن الصدور بحكمه والتسليم لما حكم رضى واختيارا ومحبة فهذا حقيقة الايمان وذلك الاعراض حقيقة النفاق .(مختصر الصواعق ج ٢ ص ٣٥٣) .

(٣) قال الامام ابن كثير رحمه الله ، فمن ترك الشرع المنزل على محمد بن عبد الله خاتم الأنبياء وتحاكم الى غيره من الشرائع المنسوخة كفر ، فكيف بمن تحاكم الى الياسق وقدمها عليه ، من فعل ذلك كفر باجماع المسلمين ، وتأمل الى قوله : باجماع المسلمين . (البداية والنهاية ج ١٣ ص ١١٩) .

وقال رحمه الله تعالى فى تفسير قول الله تعالىٰ : ﴿أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يوقنون﴾ [المائدة] .

وقال ابن كثير رحمه الله : ينكر تعالىٰ على من خرج عن حكم الله المحكم المشتمل علىٰ كل خير ، الناهى عن كل شرّ ، وعدل الىٰ . ما سواه من الآراء والأهواء والاصطلاحات التى وضعها الرجال بلا مستند من شريعة الله ، كما كان أهل الجاهلية يحكمون به من الضلالات والجهلات مما يضعونها بآرائهم وأهوائهم ، وكما يحكم به التتار من السياسات الملكية المأخوذة عن ملكهم جنكز خان الذى وضع لهم الياسق ، وهو عبارة عن كتاب مجموع من الأحكام قد اقتبسها

من شرائع شتى من اليهودية والنصرانية ، والملة الاسلامية وغيرها ، وفيها كثير من الأحكام أخذها من مجرد نظره وهواه ، فصارت فى بينه شرعاً متبعاً يقدمونه على الحكم لكتاب الله وسنة رسول الله ، فمن فعل ذلك منهم فهو كافر يجب قتاله حتى يرجع الىٰ حكم الله ورسوله فلا يحكم سواه فى قليل ولا كثير . (تفسير القرآن العظيم ج ٢ ص ٣٦٩) .

وهٰذا يلتقى مع ما قاله الامام اسحاق بن راهويه : وقد أجمع العلماء على ان من رفع شيئاً أنزله الله وهو مع ذلك مقر بما أنزل الله أنّ كافر . (التمهيد لابن عبد البر ج ٤ ص ٢٢٦) .

ب ـ أقوال العلماء الذى عاصروا القوانين الوضعية العصرية أما علماء هذا العصر الذين عاصروا ويعاصرون هذه القوانين الوضعية المناقضة لشريعة رب البرية .

١ ـ الامام الشوكانى رحمه الله تعالى ، بعد أن ذكر بعض الأوصاف القبيحة التى يتحل بها بلد سمّاه ، قال منها انهم يحكمون ويتحاكمون الى من يعرف الأحكام الطاغوتية منهم فى جميع الأمور التى تنوبهم وتعرض لهم من غير انكار ولا حياء من الله ولا من عباده .

ولا يخافون من أحد ، وهذا الأمر معلوم لكل أحد من الناس ، لا يقدر أحد على انكاره ورفعه وهو أشهر من نار على علم ؛ ولا شك ولا ريب أن هذا كفر بالله سبحانه وتعالىٰ وبشريعته التى أمر بها علىٰ لسان رسوله واختارها لعباده فى كتابه وعلىٰ لسان رسوله ، بل كفروا بجميع الشرائع من لدن آدم عليه السلام الى الآن وهٰؤلاء ، جهادهم واجب وقتالهم متعين حتى يقبلوا أحكام الاسلام ويذعنوا لها ويحكموا بينهم بالشريعة المطهرة ويخرجوا من جميع ما هم فيه من الطواغيت الشيطانية . (الدواء العاجل فى رفع العدو الصائل) .

٢ ـ الشيخ صالح بن ابراهيم البليهى فى حاشيته على زاد المستقنع المسملة بالسلسبيل فى معرفة الدليل ، فالحكم بالقوانين الوضعية المخالفة للشريعة الاسلامية الحاد وكفر وفساد وظلم للعباد ، فلا يسود الأمن ولا تحفظ

الحقوق الشرعية الا بالعمل بشريعة الاسلام كلها عقيدة وعبارة وأحكاماً وأخلاقاً وسلوكاً ونظاماً ، فالحكم بغير ما أنزل الله هو حكم بعمل مخلوق لمخلوق مثله ، هو حكم بأحكام طوغوتيه ..... ولا فرق بين الأحوال الشخصية والعامة والخاصة فمن فرق بينها فى الحكم فهو ملحد زنديق كافر بالله العظيم .

٣ ـ العلامة حامد الفقى رحمه الله تعالىٰ ، قال معلّقاً على كلام ابن كثير الذى نقلته آنفاً :

ومثل هذا وشر منه من اتخذ من كلام الفرنجة قوانين يتحاكم اليها فى الدماء والفروج والأموال ويقدمها على ما علم وتبين له من كتاب الله وسنة رسوله فهو بلا شك كافر مرتد اذا أصر عليها ولم يرجع الىٰ الحكم بما أنزل الله ولا ينفعه ایّ اس تسمّى به ولا ایّ عمل من ظواهر أعمال كالصلاة والصيام ونحوها . (تعليقه على فتح المجيد ص ٤٧٧) .

٤ ـ المحدث العلامة أحمد شاكر رحمه الله تعالىٰ ، قال أفيجوز مع هذا فى شرع الله أن يحكم المسلمون فى بلادهم بتشريع مقتبس عن تشريعات رباً الوثنية الملحدة ؟ بل بتشريع تدخله الأهواء والآراء الباطلة يغيرونه ويبدلونه كما يشاء ون ، ولا يبالى واضعه أوافق شرعة الاسلام أم خالفها ؟ (كما فى عمدة التفسير [ج ٤ ص ١٧٣ ، ١٧٤] وله رحمه الله رسالة نافعة بعنوان "الكتاب والسنة يجب أن يكونا مصدر القوانين") .

ان المسلمين لم يبلوا بهذا قط فيما نعلم من تاريخهم الا فى ذلك العهد عهد التتار ، وكان من أسوأ عهود الظلم والظلام ، ومع هذا فانهم لم يخضعوا له ، بل غلب الاسلام التتار ، ثم مزجهم فأدخلهم فى شرعته ، وزال أثر ما صنعوا بثبات المسلمين على دينهم وشريعتهم ، وان هذا الحكم السىء الجائر كان مصدره الفريق الحاكم ، اذ ذاك ، لم يندمج فيه أحد من أفراد الأمة الاسلامية المحكومة ولم يتعلموه ، ولم يعلموه ابناء هم ، فما أسرع ما زال أثره .

أفرأيتم هذا الوصف القوى من الحافظ ابن كثير ـ فى القرن الثامن ـ لذاك القانون الوضعى الذى صنعه عدو الاسلام جنكز خان ؟ ، ألستم ترونه يصف

حال المسلمين فى هذا العصر القرن الرابع عشر الا فى فرق واحد أشرنا اليه آنفا ، انّ ذلك كان فى طبقة خاصّة من الحكام أتى عليها الزمان سريعاً فاندمجت فى الأمة الاسلامية ، وزال أثر ما صنعت ثم كان المسلمون الآن أسوأ حالاً وأشدّ ظلماً وظلاماً منهم ، لأنّ أكثر الأمم الاسلامية الآن تكاد تندمج فى هذه القوانين المخالفة للشريعة والتى هى أشبه شيء بذلك الياسق الذى اصطنعه رجل كافر ظاهر الكفر .

هذه القوانين التى يصطنعها ناس ينتسبون للاسلام ثم يتعلمها أبناء المسلمين ، ويفخرون بذلك آباء وأبناء ، ثم يجعلون مردّ الى معتنقى هذا الياسق العصرى ، ويحقرون من يخالفهم فى ذلك ، ويسمون من يدعوهم الى الاستمساك بدينهم وشريعتهم رجعياً وجامداً ، الى أمثال ذلك من الألفاظ البذيئة .

بل انهم أدخلوا أيديهم فيما بقى فى الحكم من التشريع الاسلامى ، يريدون تحويله الى ياسقهم الجديد بالهوينى واللين تارة ، وبالمكر والخديعة تارة ، وبما ملكت أيديهم من السلطات تارات ، ويصرحون ولا يستحيون بأنهم يعملون على فصل الدولة عن الدين .

أفيجوز اذن مع هذا لأحد من المسلمين أن يعتنق هذا الدين الجديد اعنى التشريع الجديد ؟ ، أو يجوز لأب أن يرسل أبناء ه لتعلم هذا ، واعتناقه واعتقاده والعمل به ، عالماً كان الأب أو جاهلاً ؟ .

أو يجوز لرجل مسلم أن يلى القضاء فى ظلّ هذا الياسق العصرى ، وان يعمل به و يعرض عن شريعته البيّنة ؟ ما أظن أنّ رجلاً مسلماً يعرف دينه ويؤمن به جملة وتفصيلاً ، ويؤمن بأنّ القرآن أنزله الله على رسوله كتاباً محكما ، لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه ، وبأنّ طاعته وطاعة الرسول الذى جاء به واجبة قطعية الوجوب فى كلّ حال ، ما أظنّه يستطيع الا أن يحرّم غير متردّد ولا متأوّل ، بأنّ ولاية القضاء فى هذه الحال باطلة بطلاناً أصليّاً لا يلحقه التصحيح ولا الاجازة ، انّ الأمر فى هذه القوانين الوضعية واضح وضوح الشمس هى كفر بواح لا خفاء فيه ، ولا مداورة ولا عذر لأحد ممّن ينتسب للاسلام كائنا من كان فى العمل بها أو الخضوع لها ، أو اقرارها ، فليحذر امرؤ نفسه ، وكلّ امرىء حسيب نفسه .

ألا فليصدع العلماء بالحق غير هيّابين ، وليبلّغوا ما أمروا بتبليغه غير موانين ولا مقصّرين ، سيقول عنّي عبيد هذا الياسق العصرى وناصروه أنّي جامد ، وأني رجعي وما الى ذلک من الأقاويل ألا فليقولوا ما شاء وا ، فما عبأت يوماً ما بما يقال عنّي ، ولكنّي قلت ما يجب ان أقول . انتهى .

(٥) العلّامة عبد الرحمن آل الشيخ رحمه الله تعالى ، قال : وكذلک من دعا الى تحكيم غير الله ورسوله ﷺ فقد ترک ما جاء به الرّسول ﷺ ورغب عنه ، وجعل لله شريكاً في الطاعة وخالف ما جاء به رسول الله فيما أمره الله تعالى به في قوله : ﴿وأن احكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواء هم واحذرهم أن يفتنوک عن بعض ما أنزل الله اليک﴾ وقوله تعالى : ﴿فلا وربک لا يؤمنون حتى يحكّموک فيما شجر بينهم ثم لا يجدو في أنفسهم حرجاً مما قضيت ويسلّموا تسليما﴾ فمن خالف ما أمر الله به ورسوله ﷺ بأن حكم بين الناس بغير ما أنزل الله ، أو طلب ذلک اتباعاً لما يهواه ويريده فقد خلع ربقة الاسلام والايمان من عنقه ، وان زعم أنّه مؤمن ، فان الله تعالىٰ أنكر على من أراد ذلک ، وأكذبهم في زعمهم الايمان لما ضمن قوله : ﴿يزعمون﴾ من نفي ايمانهم ، فانّ ﴿يزعمون﴾ انما تقال غالباً لما ادّعى دعوى هو فيها كاذب لمخالفته لموجبها ، وعمله بما ينافيها ، ويحقق هذا قوله : ﴿وقد امروا أن يكفروا به﴾ لأن الكفر بالطاغوت ركن التوحيد ، كما في آية البقرة ، فاذا لم يحصل هذا الركن لم يكن موحداً ، والتوحيد هو أساس الايمان الذى تصلح به جميع الأعمال وتفسد بعدمه ، كما أنّ ذلک بيّن في قوله تعالى : ﴿فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقى﴾ . وذلک أن التحاكم الى الطاغوت ايمان به انتهى . (فتح المجيد ص ٤٧٣) .

(٦) العلامة محمد بن ابراهيم آل الشيخ رحمه الله تعالىٰ ، قال في تحكيم القوانين : الخامس — أى من أنواع القوانين الكافرة — وهو أعظمها وأشملها وأظهرها معاندة للشرع ومكابرة لأحكامه ، ومشاقة لله ورسوله ، ومضاهاة بالمحاكم الشرعية اعداداً وامداداً وارصاداً وتأصيلاً وتفريعاً وتشكيلاً وتنويعاً ، وحكماً والزاماً ومراجع ومستندات ، فكما أنّ للمحاكم الشرعية مراجع ومستمدات

، مرجعها كلّها الى كتاب الله وسنّة رسوله ، فلهذه المحاكم مراجع هي القانون الملفّق من شرائع شتّى ، وقوانين كثيرة ، كالقانون الفرنسي ، والقانون الأمريكي والقانون البريطاني ، وغيرها من القوانين ومن مذاهب بعض البدعيين المنتسبين الى الشريعة وغير ذلک . انتهى .

(٧) عبد الرحمن ناصر السعدى رحمه الله تعالىٰ في تفسيره لقوله تعالىٰ : ﴿فلا ربک لا يؤمنون حتّى يحكّموک فيما شجر بينهم﴾ الردّ الى الكتاب والسنّة شرط في الايمان ....فدلّ ذلک على أنّ من لم يرد اليهما مسائل النزاع فليس بمؤمن حقيقة بل مؤمن بالطاغوت كما جاء في الآية ، فانّ الايمان يقتضي الانقياد لشرع الله وتحكيمه في كلّ أمر من الأمور فمن زعم أنّه مؤمن واختار حكم الطاغوت على حكم الله فهو كاذب في ذلک — اهـ

(٨) العلامة محمد الأمين الشنقيطي رحمه الله تعالى ، قال في تفسيره (أضواء البيان ٣ـ٦٥ — ٦٦ بتصرف) قوله تعالىٰ : ﴿ولا يشرک في حكمه أحداً﴾ [الكهف : ٢٦] . ما تضمّنته هذه الآية الكريمة من كون الحكم لله وحده لا شريک له فيه على كلتا القراء تين — وقال قبل ذلک — [وحكمه جلا وعلا في الآية شامل لكل ما يقتضيه جل وعلا ، ويدخل في ذلک التشريع دخولاً أوّلياً] جاء مبيناً في آيات اخر : كقوله تعالىٰ : ﴿ان الحكم الا لله أمر ألا تعبدوا الا اياه﴾ [يوسف : ٤٠] . وقوله : ﴿وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه الى الله﴾ [الشورىٰ : ١٠] . وقوله : ﴿ذلكم بأنّه اذا دعي الله وحده كفرتم وان يشرک به تؤمنوا فالحكم لله العلى الكبير﴾ [غافر : ١٢] . وقوله تعالى : ﴿أفغير الله أبتغي حكما وهو الذى أنزل اليكم الكتاب مفصّلا﴾ [الأنعام : ١١٤] . الى غير ذلک من الآيات .

ويفهم من هذه الآيات كقوله : ﴿ولا يشرک في حكمه أحداً﴾ أن متّبعي أحكام المشرعين غير ما شرعه الله أنهم مشركون ، وهذا المفهوم جاء مبيّنا في آيات أخر ، كقوله فيمن اتبع الشيطان في اباحة الميتة أنها ذبيحة الله : ﴿ولا تأكلوا ممّا لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق وان الشياطين ليوحون الى أوليائهم ليجادلوكم وان أطعتموهم انكم لمشركون﴾ [الأنعام : ١٢١] . فصرح بأنهم مشركون بطاعتهم ،

وهـذا الاشـراك فى الطاعة واتباع التشريع المخالف لما شرعة الله تعالى هو المراد بـعـبـاده الشيطان فى قوله تعالىٰ : ﴿ألم أعهد اليكم يا بنى آدم أن لا تعبدوا الشيطان انه لكم عدوّ مبين ، وأن اعبدونى هذا صراط مستقيم﴾ [يس : ٦٠ . ٦١] .

وبهذه النصوص السماوية التى ذكرنا يظهر غاية الظهور : أنّ الذين يتبعون القوانين الوضعية التى شرعها الشيطان على ألسنة أوليائه مخالفة لما شرعه الله جل وعلا على ألسنّة رسله ﷺ أنه لا يشك فى كفرهم وشركهم الا من طمس الله بصيرته وأعماه عن نور الوحى مثلهم ـــ اهـ .

(٩) الشيخ ابن العثيمين رحمه الله تعالىٰ ، قال رحمه الله تعالىٰ مبيناً سبب هـذا الكفر : (مجموع فتاوىٰ ورسائل ابن عثيمين ج ٢ ص ١٤٣) من لم يحكم بما أنـزل الله استخفافاً به ، أو احتقاراً له أو اعتقاداً أنّ غيره أصلح منه وأنفع للخلق فهو كـافـر كـفـراً مـخـرجـاً مـن الملّة ، ومن هؤلاء من نصنعون للناس تشريعات تخالف التشريعات الاسلامية لتكون منهجا يسير النّاس عليه ، فانهم لم يصنعوا تلك التشريعات المخالفة للشريعة الاسلامية الا وهم يعتقدون أنّها أصلح وأنفع للخلق اذ مـن الـمـعلوم بالضرورة العقلية والجبلة الفطرية أنّ الانسان لا يعدل عن منهاج الى منهاج يخالفه الا وهو يعتقد فضل ما عدل اليه ونقص ما عدل عنه ، انتهى .

(١٠) الشيخ صـالـح الـفوزان حفظه الله تعالى ، قال بعد ما نقل كلام ابن كثير حول الياسق .

ومثل الـقـانـون الـذى ذكـره عـن التتار وحكم بكفر من جعله بديلاً عن الشريعة الاسلامية مثله القوانين الوضعية التى جعلت اليوم فى كثير من الدول هى مـصـادر لـلأحـكام والغيت من أجلها الشريعة الاسلامية الا فى ما يسمونه بالأحوال الشخصية .

وقال (عقيدة التوحيد ص ١٢٢ ، وللشيخ حفظه الله رسالة بعنوان الحكم بـغـيـر مـا أنـزل الـلـه) حـفـظه الله تعالىٰ : من نحى الشريعة الاسلامية وجعل القانون الـوضـعـى بـديلا عنها فهذا دليل على أنه يرى أنّ القانون احسن وأصلح من الشريعة وهذا لا شك أنه كفر أكبر يخرج من الملّة ويناقض التوحيد ـــ اهـ .

(١١) الشيخ عبد الرحمن البراك حفظه الله تعالىٰ ، قال : (جواب فى الايـمـان ونـواقـضـه) مـا يـلـزم منه لزوماً ظاهراً ويدل دلالة ظاهرة على عدم الاقرار بـالشهـادتيـن بـاطناً ، ولو أقر بهما ظاهراً وذلك يشمل أموراً ـــ فذكر من بين هذه الأمور الـقـوانـيـن الـوضـعية ، فـقـال : أن يـضع الوالى قانوناً يتضمن أحكاماً تناقض أحـكـامـاً قـطـعيةً مـن أحـكـام الشريعة معلومة من دين الاسلام بالضرورة ، ويفرض الـحـكم به ، والتحاكم اليه ، ويعاقب من حَكَمَ بحكم الشريعة المخالف له ، ويدّعى مـع ذلك الاقرار بوجوب الحكم بالشريعة ـــ شريعة الاسلام ـــ التى هى حكم الله ورسوله ، ومن ذلك هذه الأحكام الطاغوتية المضادة لحكم الله ورسوله :

أ) الحكم بحرية الاعتقاد فلا يقتل المرتد ، ولا يستتاب .

ب) حـريـة الـسـلـوک ، فـلا يجبر أحد على فعل الصلاة ، ولا الصيام ، ولا يعاقب على ترک ذلک .

ج) تبديل حد السرقة ـــ الذى هو قطع اليد ـــ بالتعزير والغرامة .

د) منع عقوبة الزانيين بتراضيهما الا لحق الزوج أو نحو ذلک ممّا يتضمن اباحة الزنا وتعطيل حدّه من الجلد والرجم .

هـ) الاذن بصناعة الخمر ، والمتاجرة فيه ، ومنع عقوبة شاربه ، انتهى .

هـذا عـن رأى بعض من قالوا بكفر هذه القوانين الوضعية المناقضة لشرعة الله ربّ البريّة .

ثـانـيـا : أدلّة الـمـسـألة : (هـذا الـمحور مستخرج من تفسير الشيخ محمد الأمين الشنقيطى رحمه الله تعالىٰ أضواء البيان ج ٧ ص ٤٧-٥٧) .

ومن الآيات الدّالة على المقصود :

قال تعالىٰ : ﴿ولا يشرک فى حكمه أحداً﴾ [الكهف : ٢٦] .

وقـال : ﴿ذلكـم بـأنـه اذا دعـى الـلـه وحده كفرتم وان يشرک به تؤمنوا فالحكم لله العلى الكبير﴾ [غافر : ١٢] .

وقـال : ﴿أفـغـيـر الـلـه أبتغى حكماً وهو الذى أنزل اليكم الكتاب مفصّلاً﴾ [الأنعام : ١١٤] .

وقوله : ﴿ألم تر الى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل اليک وما أنزل من قبلک يريدون أن يتحاكموا الى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالاً بعيداً﴾ [النساء] .

ومن الأدلّة الدّالة على المقصود ما ذكره العلّامة الشنقيطي رحمه الله في كتابه الماتع أضواء البيان ، أتركم على كلام فضيلته ، وتحمّلوا طوله فانّه مهمّ غاية .

قال العلّامة محمد الأمين الشنقيطي رحمه الله تعالىٰ :

قوله تعالىٰ : ﴿وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه الى الله﴾ . ما دلّت عليه هذه الآية الكريمة من أنّ ما اختلف فيه الناس من الأحكام فحكمه الى الله وحده ، لا الى غيره ، جاء موضحاً في آيات كثيرة .

فالاشراک بالله في حكمه كالاشراک به في عبادته قال في حكمه : ﴿ولا يشرک في حكمه أحداً﴾ [سورة الكهف : ٢٦] .

وفي قراءة ابن عامر من السبعة ﴿ولا تشرک في حكمه أحداً﴾ بصيغة النهي . وقال في الاشراک به في عبادته : ﴿فمن كان يرجو لقاء ربه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرک بعبادة ربه أحداً﴾ [سورة الكهف : ١١٠] . فالأمران سواء كما ترى ايضاحه ان شاء الله . وبذلک تعلم أنّ الحلال هو ما أحلّه الله ، والحرام هو ما حرّمه الله ، والدّين هو ما شرعه الله ، فكل تشريع من غيره باطل ، والعمل به بدل تشريع الله عند من يعتقد أنّه مثله أو خير منه ، كفر بواح لا نزاع فيه .

وقد دلّ القرآن في آيات كثيرة ، على أنّه لا حكم لغير الله ، وأنّ اتباع تشريع غيره كفر به ، فمن الآيات الدالّة على أنّ الحكم لله وحده قوله تعالىٰ : ﴿ان الحكم الا لله أمر ألّا تعبدوا الا اياه﴾ [سورة يوسف : ۴۰] . وقوله تعالىٰ : ﴿ان الحكم الا لله عليه توكّلت﴾ [سورة يوسف : ٦٧] . وقوله تعالىٰ : ﴿ان الحكم الا لله يقص الحق وهو خير الفاصلين﴾ [سورة الأنعام : ٥٧] .

وقوله : ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الكافرون﴾ [سورة المائدة : ۴۴] . وقوله تعالىٰ : ﴿ولا يشرک في حكمه أحداً﴾ . وقوله تعالىٰ : ﴿كل شيء هالک الا وجهه له الحكم واليه ترجعون﴾ [سورة القصص : ٨٨] .

وقوله تعالىٰ : ﴿له الحمد في الأولىٰ والآخرة وله الحكم واليه ترجعون﴾ [سورة القصص : ٧٠] . والآيات بمثل ذلک كثيرة .

وقد قدّمنا ايضاحها في سورة الكهف في الكلام على قوله تعالىٰ : ﴿ولا يشرک في حكمه أحداً﴾ .

وأمّا الآيات الدالّة على أنّ اتباع تشريع غير الله المذكور كفر فهي كثيرة جداً ، كقوله تعالىٰ : ﴿انما سلطانه على الذين يتولونه والذين هم به مشركون﴾ [سورة النحل : ١٠٠] . وقوله تعالىٰ : ﴿وان أطعتموهم انكم لمشركون﴾ [سورة الأنعام : ١٢١] . وقوله تعالىٰ : ﴿ألم أعهد اليكم يٰبني آدم أن لا تعبدوا الشيطان﴾ [سورة يس : ٦٠] .

(٢) وقال الشيخ محمد شاكر الشريف في كتابه "حقيقة الديمقراطية" :

أ) نظام الحكم الاسلامي .

ب) نظام حكم الطاغوت .

ففي نظام الحكم الاسلامي تكون الكلمة العليا لله العلي الكبير الذي يحيي ويميت ، ويكون التشريع والتحليل والتحريم والأمر والنهي لله الذي له ملک السموات والأرض ، وليس لمخلوق ـــ سواء كان فرداً أو جماعة أو أمة أو شعباً ـــ أدنى نوع من أنواع المشاركة لله الكبير المتعال في أي شيء من ذلک . وما على الخلق الا الاتباع والانقياد .

وهذا من الأمور الواضحة وضوح الشمس في عقيدة كل مسلم يشهد الا اله الا الله وأن محمداً رسول الله ، وهذا معناه أيضاً ان السيادة بمضمونها الذي سبق ذكره انما هي لله العلي الكبير ، والأدلة الشرعية على ذلک كثيرة جداً .

فانظر الى قوله تعالىٰ : ﴿ان الحكم الا لله﴾ وهو أسلوب من أساليب القصر ، يقصر فيه الحكم على الله تبارک وتعالىٰ يعني أنه : لا حكم الا لله ـ تجد أن الله تبارک وتعالىٰ قد ذكره في أكثر من موضع من القرآن ، ذكر في سورة يوسف على لسان يوسف عليه السلام أثناء دعوته لصاحبي السجن ، وذكره في سورة يوسف أيضاً ولكن على لسان يعقوب عليه السلام أثناء وصيته لأبنائه بعد فقده

ليوسف ، وذكره في سورة الأنعام آمراً رسوله محمداً ﷺ أن يقوله للمشركين في محاجته لهم .

ومثل هذا الأسلوب القصر ورد قوله تعالىٰ : ﴿له الحكم﴾ في أكثر من موضع من القرآن فقد جاء في سورة القصص في موضعين ، وجاء في سورة الأنعام في موضع واحد . وهو يعني أيضاً أن الحكم لا يكون الا لله .

وقال تعالىٰ مبيناً اختصاصه بالأمر والنهي والتشريع كما هو تعالىٰ مختص بالحق : ﴿ألا له الخلق والأمر﴾ [الأعراف : ٥٤] .

وقال تعالى مبيناً وجوب الحكم بشرعه : ﴿وأن احكم بينهم بما أنزل الله﴾ [المائدة : ٤٩] .

وقال تعالىٰ مبيناً وجوب رد النزاع والاختلاف الى حكمه : ﴿وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه الى الله﴾ [الشورىٰ : ١٠] . وهذا يبين أيضاً علو حكمه وسموه على جميع الأحكام .

وقال تعالىٰ مبيناً أنه لا يشرك معه أحداً في الحكم : ﴿ولا يشرك في حكمه أحداً﴾ [الكهف : ٢٦] .

وقال تعالىٰ مبيناً اختصاصه بالحكم ، وأن أحداً لا يملك التعقيب على حكمه ﴿والله يحكم لا معقب لحكمه﴾ [الرعد : ٤١] .

فكل هذه الأدلة — وغيرها كثير — دالة على التشريع والتحليل والأمر والنهي انما هو لله الواحد القهار ، وهذه هي صورة نظام الحكم الاسلامي الذي يحبه الله ويرضاه ، وينعم على متبعيه بالتأييد والنصر والعزة والكرامة في الحياة الدنيا مع ما يدخره لهم من النعيم المقيم والفوز والفلاح في الآخرة .

وفي نظام حكم الطاغوت : يكون الأمر كله والنهي كله والتشريع كله لغير الله سبحانه وتعالىٰ ، أو يكون بعض الأمر والنهي والتشريع لله ، وبعضه الآخر لغير الله جل وعلا ، سواء كان هذا الغير فرداً أو جماعة أو شعباً ، أو أمة . ومن هنا يتبين أن نظام الحكم الديمقراطي ما هو الا صورة من صور نظام حكم الطاغوت ومن المعلوم المشهور أنه لا يستقيم ايمان عبد ولا يصح له اسلام الا بأن يكفر بالطاغوت

؛ وذلك أن الايمان بالله ، والايمان بالطاغوت أو قبول حكمه والرضى به ضدان لا يجتمعان أبداً ، وقد قال تعالىٰ مبيناً وجوب الكفر بالطاغوت الى جانب وجوب الايمان بالله : ﴿فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى﴾ [البقرة : ٢٥٦] .

وقال تعالىٰ أيضاً رداً على الذين يزعمون الايمان بالله وهم في نفس الوقت يريدون التحاكم الى الطاغوت ومبيناً لكذب دعواهم : ﴿ألم تر الى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل اليك وما أنزل من قبلك يريدون أن يتحاكموا الى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالاً بعيداً﴾ [النساء : ٦٠] .

ومن هنا أيضاً وجوب الكفر بالنظام الديمقراطي ، ويتبين كذب الذين يزعمون الايمان بالله ، وبما أنزل الى الرسول ﷺ ، وهم في نفس الوقت يعلنون ايمانهم بالنظام الديمقراطي ، أو قبولهم له والرضى عنه .

ولذلك فان لفظ "مسلم" ولفظ "ديمقراطي" لا يجتمعان في حق شخص واحد أبداً ، وانما يقبل أو يستسيغ اجتماع هذين الوصفين المتناقضين في حق شخص واحد ، أولئك الذين يجهلون حقيقة دين الاسلام القائم على توحيد الله الخالص ، ونفي الشريك ، أو أولئك الذين يجهلون حقيقة الديمقراطية بما اشتملت عليه من الكفر العظيم والشرك بالله الواحد القهار .

نظام الحكم الديمقراطي مناقض لنظام الحكم الاسلامي

فالحكم الديمقراطي بمقتضى تعريف الديمقراطيين له يلاحظ فيه أمران :

الأمر الأول : استبعاد حق الله الذي له الحكم كله أصلاً ، وبأمره تأتي سلطة كل من له سلطة من بعده .

وبسبب هذا يكون الحكم الديمقراطي مبايناً للحكم الاسلامي ، لأننا قد عرفنا أن الحكم الاسلامي قائم على أن الأصل في الحكم انما هو لله وحده .

الأمر الثاني : عدم اقرار الحكم الديمقراطي بأحكام الشرع ووجوب تنفيذها أولاً . وهي الأحكام الشاملة لأحكام الله وأحكام رسوله ﷺ واستنباطات المجتهدين من فقهاء المسلمين الذين يستنبطون أحكام الشرع بالاجتهاد الذي أذن

الله لهم به .

وبسبب هذا أيضاً يكون الحكم الديمقراطي مبايناً للحكم الاسلامي ، فالحكم الاسلامي – كما سبق بيانه – يفرض أولا العمل بكل حكم شرعي ثابت بدليل قاطع ، أو بدليل ظني اتفق عليه معظم فقهاء العصر الذين هم أهل للاجتهاد أو الترجيح بالاستناد الى الأدلة الشرعية . (اتفاق معظم فقهاء العصر على الدليل الظني ليس شرطاً في العمل بما تضمنه هذا الدليل من الحكم الشرعي) .

ثم يعطى لجماعة المسلمين المؤهلين أن يضعوا النظم الادارية التي يرونها أصلح وأنفع وأكثر خيراً للناس ، بشرط ألا يعارض شيء منها حكماً شرعياً ثابتاً ، ولو كان حكم اباحة ورد فيه عن الشرع بيان .

اذن ؛ فالحكم الديمقراطي بموجب تعريفه وتطبيقاته حكم يعزل الدين عزلاً كلياً عن شؤون الحكم ، ويستبعده عنها استبعاداً تاماً ، فهو بهذا شبيه بالعلمانية . (كواشف زيوف ص : ۲۹۴ – ۲۹۵) .

اب ان اہل تحقیق علماء کی عبارات کا خلاصہ اور وضاحت میں اپنے الفاظ میں قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں تا کہ ان عبارات کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہو جائے، اور یہ اس لئے کہ ان عبارات میں کہیں تعقید لفظی ہے، تو کہیں معنوی، تو کہیں اجمال ہے، تو کہیں اختصار، اس لئے میں ان عبارات کے مقاصد قارئین کے سامنے اپنے الفاظ میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

سب سے پہلے شیخ ابوحفص سفیان الجزائری کی عبارت کا خلاصہ:

یہ موجودہ آئینی قوانین کو امت نے صرف دو مرحلوں میں جانا ہے:

(۱) جب تاتاریوں نے مسلمانوں کے بعض شہروں پر غلبہ حاصل کیا اور ''یاسق'' نام کا قانون ان میں چلایا، یہ ایسا قانون ہے جو مختلف ادیان سے مرکب ہے، جن میں اسلام بھی ہے۔

مصیبت کے اس دور میں جن علماء نے وقت گزارا، ان میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور محدث حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ جیسے حضرات شامل ہیں جن کے اقوال اس قانون کے متعلق

عنقریب قارئین کے سامنے آجائیں گے۔

(۲) دوسرا مرحلہ وہ ہے کہ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد پیش آیا جن میں مسلمانوں کے شہر کے شہر افراتفری کا شکار ہوئے اور ان کے اس جعلی، خود ساختہ قوانین کے سامنے سر تسلیم خم ہو گئے، اور ان کے قوانین کو اپنے فیصلوں اور تنازعات کا حرف آخر سمجھنے لگے۔

جب قوانین کی اس واقعی تاریخی حقیقت کو ہم دیکھتے ہیں اور پہچانتے ہیں تو اگلے مرحلہ میں ان کے متعلق شریعت کے حکم پر بحث کرتے ہیں جو متفق علیہ ہے، واللہ ولی التوفیق۔

لہذا سب سے پہلے موجودہ قوانین کے متعلق علماء کرام کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں، اس سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ ان قوانین سے مقصود وہ قوانین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے ساتھ ٹکراتے ہیں، محض شخصی اور اجتماعی قوانین مراد نہیں۔

بلکہ سراسر وہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں۔

جن کے دور میں یہ قوانین ہوئے ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ جو ''یاسق'' قانون کے زمانہ میں تھے۔

(۲) دوسرے وہ جو موجودہ قانون کے زمانہ میں تھے۔

''یاسق'' یہ اس دستور سے عبارت ہے جس پر تاتاری اپنے فیصلے کیا کرتے تھے، چنانچہ امت اسلامیہ پر ان کی کمزوری کے زمانے میں ان کا جاننا فرض قرار دے چکے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب تاتاریوں نے مسلمانوں پر غلبہ حاصل کیا تھا چنانچہ مسلمانوں نے ان کو دھکیل دیا، کچھ ہی عرصہ ہوا کہ تاتاری اسلام میں داخل ہوئے اور اسلامی شریعت کی طرف مائل ہوئے، وللہ الحمد۔

''یاسق'' قانون کے زمانے کے بعض علماء کرام کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۵۷ کی تفسیر میں فرماتے ہیں.

''اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ کی آیات سے اعراض کرنے والے کو سخت عذاب دیا جائے گا چاہے وہ جھٹلانے والا ہو یا نہ ہو، اس وجہ سے کہ یہ اعراض کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بھی رسول پر لائے ہوئے دین کا اقرار نہیں کرتا وہ کافر ہے چاہے جھوٹ کا عقیدہ رکھے یا ایمان سے اعراض کرے یا محض اپنی خواہش سے اعراض کرے یا آپ کے لائے ہوئے میں شک کرے تو یہ سارے آپ ﷺ کے لائے ہوئے کو جھٹلانے والے ہیں چنانچہ وہ کافر ہیں، (درء التعارض ج ۱، ص ۶۵)۔

نیز فرمایا: مسلمانوں کے دین کی مجبوری اور تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو دین اسلام کے علاوہ دوسرے دین کی اتباع کی گنجائش سمجھتا ہے یا جو نبی اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے علاوہ کی تابعداری کرتا ہے تو وہ کافر ہے، اور اس کا کفر ایسا ہے جس طرح اس بندے کا کفر ہے جو بعض کتاب پر ایمان اور بعض پر کفر کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسولوں سے منکر ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں''، (مجموع الفتاویٰ ج ۲۸، ص ۵۲۴)۔

آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ''انسان جب متفق علیہ حرام کو حلال جانے یا متفق علیہ حلال کو حرام جانے اور یا متفق علیہ شریعت کو تبدیل کر ڈالے تو وہ تمام فقہاء کرام کے ہاں بالاتفاق مرتد ہو جاتا ہے، (مجموع الفتاویٰ ج ۳، ص ۲۶۷)۔

مزید فرماتے ہیں کہ: ''جس نے بھی شریعت اسلام کا پیچھا کیا اس کو حکومت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے، اس کی بیعت کو ختم کر دیا جائے گا اس لئے کہ یہ اس حالت میں کفر کے وصف کا مستحق ہے''، (الفتاویٰ المصریہ، ص ۵۰۷)۔

(۲) علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ان قوانین پر تبصرہ کر کے اس آیت ''فلا وربک'' الخ

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لائے ہوئے طریقہ سے اعراض اور اوروں کے راستہ کی طرف التفات کرنے کو حقیقت نفاق فرمایا ہے جس طرح کہ ایمان کی حقیقت مضبوطی ہے اور سینوں سے حرج کو اللہ کے حکم سے دور کرنا ہے اور اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینا ہے اللہ کی رضا کے لئے، اختیار و محبت کے ساتھ، یہ ہے ایمان کی حقیقت اور اس سے اعراض کرنا نفاق کی حقیقت ہے''۔ (مختصر الصواعق ج ۲، ص ۳۵۳)۔

(۳) علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو آدمی اس شریعت کو چھوڑ دے جو محمد بن عبداللہ خاتم الانبیا ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور دوسرے شرائع منسوخہ پر فیصلہ کرے وہ کافر ہے تو اس آدمی کا کیا حال ہوگا جو (شرائع منسوخہ سے بھی آگے) یاسق پر فیصلہ کرے اور اس کو مقدم رکھے، چنانچہ جو یہ کرتا ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہے'' (بالاتفاق پر غور کریں)۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۳، ص ۱۱۹)۔

آپ رحمہ اللہ ''افحکم الجاهلية يبغون'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس آدمی پر انکار فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ایسے حکم سے اعراض کرتا ہے جو خیر پر مشتمل اور شر سے بچانے والا ہے اور اس حکم کے علاوہ رائی، خواہش ایسے قانون کی طرف مائل ہوتا ہے جو اللہ کی شریعت سے ہٹ کر لوگوں نے بنائے ہیں جس طرح جاہلیت والے مختلف گمراہیوں، جہالتوں پر فیصلے کیا کرتے تھے جو اپنی رائی اور خواہش سے بنایا کرتے تھے، اور جس طرح چنگیز خان کے بنائے گئے اور قانون یاسق سے لئے گئے ملکی سیاسی فیصلے، (تفسیر القرآن العظیم ج ۲، ص ۳۶۹)۔

یہ اس کتاب سے عبارت ہے جس میں مختلف احکام ہیں جو مختلف شرائع یہودیہ، نصرانیہ اور ملت اسلامیہ سے لئے گئے ہیں اور اس میں اکثر احکام محض اپنی نظر و خواہش سے ماخوذ ہیں، جو یہ کرتا ہے وہ کافر ہے، اس کے ساتھ قتال واجب ہے یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرے اس لئے کہ کسی بھی چیز میں اللہ کے علاوہ کوئی حاکم نہیں، اور یہ اسحاق بن

راہویہ رحمہ اللہ کے قول کے موافق ہت کہ ''علماء نے اجماع کیا ہے کہ جو اللہ کے حکم کو ختم کرے اگرچہ وہ اقرار بھی کرتا ہو تب بھی وہ کافر ہے''۔(التمہید لابن عبدالبرج ۴، ص ۲۲۶)۔

وضع کردہ عصری قوانین کے متعلق علماء کے اقوال:

ا۔امام شوکانیؒ بعض اوصاف قبیحہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''اسی میں سے یہ بھی ہے کہ یہ فیصلہ لیجاتے ہیں ان لوگوں کے پاس جو شیطانی احکام کو جانتے ہیں، یہ ان امور میں فیصلہ کرتے ہیں جو ان کو پیش آجاتے ہیں اور اس میں ذرہ برابر انکار نہیں کرتے۔نہ اللہ تعالیٰ سے نہ ان کے بندوں سے حیاء کرتے ہیں۔

کسی سے ڈرتے بھی نہیں، سب کو یہ معلوم ہوتا ہے، کوئی اس کے انکار پر قادر نہیں ......اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی اس شریعت کا انکار ہے جس کا اس نے رسولوں کی زبانی حکم دیا ہے۔اور اپنے بندوں کیلئے منتخب کیا ہے۔ بلکہ یہ لوگ آدم علیہ السلام سے لیکر تا حال تمام شرائع کے منکر ہیں۔ان کے ساتھ قتال و جہاد ضروری ہے یہاتک اسلامی احکام کو قبول کرکے ان کے سامنے جھک جائیں اور اپنے درمیان شریعت مطہرہ پر فیصلہ کریں۔اور سارے شیطانی طاغوتی احکام سے نکل جائیں۔(الدواء العاجل فی رفع العدو الصائل)۔

۲۔شیخ صالح بن ابراھیم البلیھی زاد المستقنع کے حاشیہ ''السبیل فی معرفۃ الدلیل'' میں لکھتے ہیں۔وضع کردہ قوانین پر فیصلہ کرنا جو شریعت اسلامیہ کے قوانین کے برخلاف ہیں الحاد، کفر اور فساد اور بندوں پر ظلم کرنا ہے امن اور حقوق شرعیہ کی حفاظت نہیں ہوسکتی جب تک اسلام کی شریعت پر عقیدۃً عبارۃً احکاماً اخلاقاً ہر اعتبار سے عمل نہ کیا جائے نیز جب تک اس پر چلا نہ جائے۔چنانچہ ماانزل اللہ کے علاوہ پر حکم کرنا یہ ایک مخلوق کا دوسرے مخلوق کے حکم پر عمل کا نام ہے، یہ احکام طاغوتیہ پر فیصلہ کرنا ہے، ذاتی، عمومی، اجتماعی احوال میں فرق نہیں، جو فرق کرتا ہے وہ ملحد زندیق اور کافر ہے باللہ العظیم۔

۳۔علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی عبارت (جو پہلے نقل ہوئی) پر تعلیق کرتے ہوئے علامہ حامد فرماتے ہیں ''اس سے بدتر وہ لوگ ہیں جو فرنگیوں کے قوانین بنا کر ان پر فیصلہ کرتے ہیں اپنے تمام معاملات میں جن کا تعلق حفاظت جان، فرج، مال سے ہے اور پھر ان کو اللہ کے معلوم اور واضح احکام پر مقدم کرتے ہیں، ایسے لوگ بلاشبہ کافر اور مرتد ہیں جب وہ ان احکام پر اصرار کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف نہ لوٹیں۔کوئی بھی چیز کوئی بھی عمل نماز روزہ اس کو نفع نہیں دے گا (التعلیق علی فتح المجید۔ص ۴۷۷)۔

۴۔محدث علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں ''کیا اللہ کے دین میں یہ جائز ہے کہ مسلمان اپنے شہروں میں ایسے فیصلے کریں جو یورپ کے احکامات سے لئے گئے ہیں جو بت پرست اور ملحد ہیں اور اس کے بنانے والے کو فکر ہی نہیں کہ یہ شریعت اسلامیہ کے موافق ہیں یا نہیں۔

(حضرت کا ایک رسالہ اس پر اور بھی ہے جس کا نام ہے "الکتاب والسنة یجب ان یکونا مصدر القوانین ")۔

مسلمان ان قوانین سے آشنا نہیں ہوئے تھے مگر انہی تاتاریوں کے زمانہ میں، اور یہ ظلم اور اندھیرے کے زمانوں میں نہایت برا وقت تھا لیکن اس کے باوجود مسلمان ان کے سامنے جھکے نہیں بلکہ اسلام تاتاریوں پر غالب ہوا اور ان کے ساتھ ایسا خلط ہوا کہ ان کو اپنی شریعت میں داخل کیا، اپنے دین اور شریعت پر ثابت قدم ہونے کی وجہ سے ان کے بنائے گئے قوانین کا اثر زائل ہوا، اس قسم کے قوانین کا اصل واضع ایک حاکم تھا، بہر حال امت اسلامیہ کے افراد نے اس میں دلچسپی نہ لی اور نہ کسی نے اپنے بیٹوں کو سکھایا۔چنانچہ اس کا اثر نہایت جلد زائل ہوا آپ نے علامہ ان کثیر (جو ۸ھ کے ہیں) کا دشمن اسلام چنگیز خان کے وضع کردہ قانون پر تبصرہ ملاحظہ فرمایا۔مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کو وہ کیسے بیان کررہے ہیں جو چودھویں صدی میں موجود ہیں۔ہاں ان میں اور ان میں صرف ایک فرق ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ قوانین

حکام کے ایک خاص طبقے تک محدود تھے زمانہ کے مرور کے ساتھ فوری طور پر اس کا اثر زائل ہوا ۔اس وقت مسلمانوں کی حالت بدتر ہے، ظلم اور اندھیروں کے اعتبار سے یہ پہلوں سے زیادہ شکار ہیں اسلئے کہ اکثر اسلامی امتیں ان قوانین میں پڑ رہی ہیں جو کہ شریعت کے مخالف ہیں ایسے قوانین جن کے ساتھ ''یاسق'' نامی وضع کردہ قوانین کی زیادہ مشابہت ہے جسکو ایک ظاہر الکفر بادشاہ نے بنایا تھا۔

یہ وضع کردہ قوانین ایسے ہیں جن کو کچھ لوگوں نے بنا کر اسلام کی طرف منسوب کیا ہے پھر مسلمانوں کے بچے اس کو سیکھتے ہیں اور نسل در نسل اس پر فخر کرتے ہیں، آخر کار اس ''یاسق'' نامی قانون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو ان کی مخالفت کرتا ہے یہ اس کی تحقیر کرتے ہیں، اور جو دین و شریعت کی طرف ان کو بلاتے ہیں ان کو جامدی اور رجعی جیسے القاب قبیحہ سے پکارتے ہیں۔

ان حالات میں کیا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس نئے دین، نئی شریعت کو اپنے سینے سے لگائے، یا کسی باپ کو جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو اس قسم کے قانون کو سیکھنے کے لئے بھیجے ، یا اس پر اعتقاد کر کے اس پر عمل پیرا ہو جائے چاہئے والد عالم ہو یا جاہل۔ بلکہ انہوں نے اسلامی قانون میں اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے اپنے اصل قانون ''یاسق'' کی طرف پھیرا یا ہے مختلف طریقے مکر، دھوکہ اور اپنے مختلف اختیارات استعمال کر چکے، اور چیختے ہیں اور شرم و حیا نہیں کرتے کہ یہ ایسا کام ہے جو دین کے سراسر خلاف ہے۔

یا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس قسم کے قانون ''یاسق'' کے سایہ تلے منصب قضاء سنبھالے یا اس قانون پر عمل کرے اور واضح شریعت سے روگردانی کرے کوئی مسلمان جو اپنے دین کو پہچانتا ہو۔ اور اس پر اجمالی اور تفصیلی ایمان لاتا ہو اور اسپر ایمان لاتا ہو کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے محکم کتاب نازل فرمایا ہے جہاں باطل کسی بھی طرف سے نہیں آسکتا اور یہ جانتا ہو کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کے لائے ہوئے دین کی طاعت ہر حال میں قطعی واجب ہے تو میں یہ نہیں

سمجھتا کہ وہ بغیر تردد و تاویل کے اس کو حرام نہ سمجھے کہ اس حال میں منصب قضاء سنبھالنا اصلاً باطل ہے کسی درجہ میں بھی صحیح نہیں نہ اس کی اجازت ہے ان قوانین کے متعلق بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ کفر بواح ہے اس میں کسی قسم کا خفاء اور عذر نہیں اس شخص کیلئے جو اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے۔ عمل، خضوع، اقرار کے اعتبار سے وہ جو بھی ہو لہذا ہر ایک آدمی ڈرتا ہے، ہر ایک اپنے آپ کا نگہبان ہے، اس لئے خبردار علماء حقہ کو چاہئے کہ وہ کھلم کھلا حق کا اعلان کریں اور ڈریں نہیں اور تبلیغ پر مامور یہ حضرات اپنی بات پہنچادیں۔ اس ''یاسق'' قانون کے غلام اور مددگار میرے متعلق یہ کہینگے کہ میں جامد یا رجعی ہوں، مجھے ان کی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں، وہ جا چاہیں بولیں، میرے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے مجھے ایک دن بھی پروا کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی، جو میں پسند کرتا ہوں اور جس کا کہنا میں لازمی سمجھتا ہوں وہ کہہ دیتا ہوں۔ (عمدۃ التفسیر ص ۱۷۳ و ۱۷۴ ج ۴)۔

۵۔ علامہ عبدالرحمن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اسی طرح جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے علاوہ کی طرف لوگوں کو بھلائے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے لائے ہوئے کو چھوڑا اور اس سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ طاعت میں شریک ٹھہرایا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول:
''وان احكم بينهم بما أنزل الله'' اور ''فلا وربک لا يؤمنون حتى يحكموک''
میں رسول اللہ ﷺ کو دئے گئے حکم کی خلاف ورزی کی پس جس نے اللہ اور رسول کی مخالفت کی اس طور پر کہ اللہ کے نازل کردہ کے خلاف فیصلہ کیا یا اپنی خواہش و ارادہ کی وجہ یہ کیا تو اس نے اسلام کی رسی کو اور ایمان کو اپنی گردن سے اتار دیا اگر چہ وہ اپنے کو مؤمن سمجھتا ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارداہ کرنے والوں پر انکار کیا ہے اور ان کے ایمان کے اس دعوی میں جھٹلایا، اسلئے کہ ''یزعمون'' میں ان کے زعم کی نفی کی ہے کیونکہ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جو ایسا دعویٰ کرتا ہے جس میں وہ جھوٹا ہو اسلئے کہ وہ اس کے مقتضی کی مخالفت کر رہا ہے اور اس کے منافی عمل

کرتا ہے "وقد أمروا أن یکفروا به" اس کی تائید کرتا ہے،اوراس لئے کہ طاغوت پر کفر کرنا توحید کا رکن ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ میں ہے۔جب یہ رکن حاصل نہیں تو موحد نہیں ہوگا،جبکہ توحید ہی ایمان کا دارومدار ہے اسی پر سارے اعمال درست ہوتے ہیں اوراس کے نہ ہونے کی وجہ سے سارے اعمال برباد ہوتے ہیں "فمن یکفر بالطاغوت" میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ طاغوت کے ہاں فیصلہ لیجانا اس پر ایمان لانا ہی تو ہے۔(فتح المجید۔ص ۴۷۳)

۶۔علامہ محمد بن ابراہیم فرماتے ہیں۔پانچویں قسم کفریہ قوانین میں سے ہے اور یہ قوانین شرع کے مقابلے میں نہایت بڑھکر اور شمول اور ظہور میں سے آگے ہیں اور احکام شریعہ کے مقابلے میں بڑھکر ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سخت مخالف ہیں اور احکام شریعہ کے مشابہ ہیں ہر چیز میں تفریع تشکیل اور مختلف النوع اور اصل ہونے میں۔مراجع اور مستند ہونے میں جس طرح احکام الشرعیہ کیلئے مراجع ومصادر ہیں،سب کا مرجع اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے اسی طرح ان وضعی قوانین کا اصل مرجع وہ قانون ہے جو مختلف شریعتوں کا بنایا ہوا نچوڑ ہے اس کے علاوہ دیگر قوانین جیسے امریکی،برطانوی قوانین اور دیگر اہل بدعت کے جو وہ شریعت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۷۔عبدالرحمن ناصر سعدی رحمہ اللہ،اللہ تعالیٰ کے قول "فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک" کی تفسیر میں فرماتے ہیں "کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ایمان کی شرط ہے،اس سے معلوم ہوا کہ باہمی نزاع کے مسائل میں اگر کوئی کتاب وسنت کی طرف رجوع نہیں کرتا تو وہ حقیقۃ مؤمن نہیں بلکہ طاغوت پر اس کا ایمان ہے جس طرح کہ آیت مبارکہ میں ہے۔اس لئے کہ ایمان اللہ کی شریعت کی طرف منقاد ہونے اور تمام امور میں اس کو حاکم بنانے کا نام ہے چنانچہ جو سمجھتا ہے کہ یہ مومن ہے اور اللہ کے حکم کے برخلاف طاغوتی احکام کو ترجیح دیتا ہے تو یہ اپنے ایمان میں جھوٹا ہے۔

۸۔علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر "اضواء البیان ص ۶۵،۶۶ ج۴" میں (الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ) فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا یہ قول "ولا یشرک فی حکمه احداً" یہ آیت جس بات کو شامل ہے وہ یہ ہے کہ حکم صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے ہے (اور اس سے قبل فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ کا حکم اللہ کے تمام مقتضیات کو شامل ہے،سب سے پہلے اس میں قانون سازی داخل ہے جو مختلف آیات میں بیان کی گئی ہے مثلاً سورۃ یوسف آیت نمبر ۴۰ سورۃ شوریٰ آیۃ نمبر ۱۰ سورۃ غافر آیۃ نمبر ۱۲ سورۃ انعام آیۃ نمبر ۱۱۴ اور اس کے علاوہ دیگر آیات ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے مثلاً "ولا یشرک فی حکمه احداً" سے کہ جو لوگ اللہ کے قانون کے علاوہ دوسرے کے احکام کے پیچھے پڑتے ہیں وہ مشرک ہیں،اور یہ مفہوم دیگر آیات میں بھی واضح طور پر آیات ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول (اس شخص کے حق میں جو مردار کو اس لئے جائز قرار دیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذبح کردہ ہے) "ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیه وانه لفسق" جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ ان کی بات ماننے کی وجہ سے مشرک ہیں اور یہی شرک فی الطاعۃ کرنا اور اللہ کی شریعت کے مخالف قانون کی تابعداری کرنا ہی شیطان کی عبادت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بتایا گیا ہے "الم اعهد الیکم" [یٰس آیۃ ۶۰،۶۱]،ان ہی آسمانی نصوص کے ذریعہ جن کو ہم نے ذکر کیا ہے بطریق اتم ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ ان وضعی قوانین کا اتباع کرتے ہیں جو شیطان نے اپنے دوستوں کی زبانی بنائے ہیں یہ رسولوں کی زبانی اللہ تعالیٰ کی لائی ہوئی شریعت کے مخالف ہیں،ان کے کفر وشرک میں صرف وہی بندہ شک کر سکتا ہے جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے ختم کیا ہوا اور ان جیسوں کی طرح وحی کی روشنی سے ان کو اندھا بنایا ہو (اضواء البیان ج ۴ ص ۶۵،۶۶)۔

۹۔شیخ بن عثیمین رحمہ اللہ مجموع فتاویٰ ورسائل ابن عثیمین ص ۱۴۳ ج ۲ پر کفر کا سبب کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جو اللہ کے نازل کردہ احکام پر استخفاف (حقیر سمجھ کر) یا ھلکا سمجھ کر یا

اس اعتقاد پر کہ اس کے علاوہ قانون زیادہ اچھا اور مخلوق کے لئے نفع بخش ہے فیصلہ کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور ملت اسلام سے خارج ہے، اور ان ہی لوگوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو لوگوں کیلئے ایسے قوانین بناتے ہیں جو سراسر احکام شرعیہ کے مخالف ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہمارے یہ قوانین لوگوں کیلئے ایک راستہ بنیں جس پر وہ چلیں اسلئے کہ یہ بات بداہۃً عقلاً معلوم ہے اور اانسانی فطرت بھی یہی ہے کہ انسان کسی ایک راستہ سے ہٹ کر دوسرے راستہ کی طرف نہیں جاتا مگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس راستہ کی طرف وہ گیا ہے وہ بہتر ہے اور جس کو اس نے چھوڑا ہے وہ ناقص ہے۔

۱۰۔ شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ تعالیٰ نے ''یاسق'' قانون کے متعلق علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے ''تاتاریوں کے ذکر کردہ قانون کی طرح ان لوگوں کے کفر کا حکم بھی لگایا جائے جو شریعت اسلامیہ کے عوض دیگر قوانین وضع کرتے ہیں جو آج کل بہت سارے ممالک میں مصدر اور اساس احکام کا درجہ رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے شریعت اسلامیہ کو (العیاذ باللہ) ختم کردیا گیا ہے ہاں شخصی احوال میں ممکن ہے موجود ہو شیخ رحمہ اللہ کا ایک مستقل رسالہ ہے ''الحکم بغیر ما أنزل الله'' (عقیدۃ التوحید ص۱۲۲) میں وہ فرماتے ہیں ''جس نے شریعت اسلامیہ کو مٹایا اور وضع کردہ قوانین کو اس کا نعم البدل بنایا تو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے یہ قوانین شریعت کے قوانین کے مقابلے میں اچھے اور زیادہ صلاحیت والے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے بڑھکر کفر ہے جو ملت اسلام سے نکال دیتا ہے اور توحید کے مناقض ہے۔

۱۱۔ شیخ عبدالرحمن البراک حفظہ اللہ ''ایمان اور اس کے نواقض'' کے تحت فرماتے ہیں کہ ''جو چیز اس میں لازمی اور ظاہر باہر دلالت کرنی والی ہے وہ یہ ہے کہ باطناً اقرار بالشھادتین کا اعتبار نہیں، اور ظاہراً اقرار میں قوانین وضعیہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی بڑا

آدمی کوئی ایسا قانون بنائے جو شریعت کے احکام قطعیہ اور معلوم بالضرورۃ احکام کے مناقض ہو اور اس پر فیصلہ کرنا ضروری ہو اور شریعت کے حکم پر عمل کرنے پر اس کو سزا دیجاتی ہو جو حکم ان کے وضع کردہ قوانین کے خلاف ہو اگرچہ اس اقرار کے ساتھ وہ شریعت اسلام پر عمل کے وجوب کا مدعی کیوں نہ ہو۔ ان ہی وضع کردہ قوانین میں وہ طاغوتی احکام بھی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف ہیں۔

(۱) اعتقاد کی آزادی کا فیصلہ: چنانچہ اس قانون میں مرتد کو قتل نہیں کیا جائے گا نہ اس سے معذرت طلب کی جائے گی۔

(۲) عملی آزادی: چنانچہ کسی کو نماز، روزہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور وہ ان کے چھوڑنے پر سزادی جائے گی۔

(۳) چوری کی حد میں تبدیلی (جو کہ قطع ید ہے) تعزیر اور مالی جرمانہ کے ساتھ۔

(۴) زناکار مرد اور عورت کی رضامندی ہو تو ان کو سزا نہیں دی جائے گی الا یہ کہ عورت کا شوہر اپنے حق کی وجہ سے مطالبہ کرے۔ یہ قانون ضمناً زنا کی اجازت اور کوڑوں اور سنگساری کی سزا ختم کرنے پر مشتمل ہے۔

(۵) شراب بنانے کی اجازت اور اس کی تجارت کی اجازت اور اس کے پینے والوں کی سزا کا منع ہونا۔

یہ ان حضرات کی رائی ہے خلاف شریعت ان وضع کردہ قوانین کو کفر سمجھتے ہیں

(ثانیاً) مسئلہ کے دلائل: یہ مضمون شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ کی تفسیر اضواء البیان ص ۴۷، ۵۷ سے حاصل کیا گیا ہے ان آیات کا ذکر جو مقصود پر دلالت کرتی ہیں:

[سورۃ کہف:۲۶]۔

[سورۃ غافر:۱۲]۔

[سورۃ انعام:۱۴۴]۔

[سورۃ النساء:]۔

مقصود پر دلالت کرنے والے دلائل میں سے علامہ شنقیطی رحمہ اللہ کی مفید کتاب ''اضواء البیان'' بھی ہے جنہوں نے نہایت تفصیل سے کلام فرمایا ہے، مفید ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر کیا جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ قول" **وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه الى الله** ''اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جن احکام میں لوگوں کا اختلاف ہوجائے تو اس کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹے گا نہ کہ کسی اور کی طرف، مختلف آیات میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حکم میں شریک کرنا ایسا ہے جیسا کہ عبادت میں شریک کرنا، چنانچہ فرمایا"**ولا يشرك في حكمه أحداً**" ایک دوسری آیۃ میں نہی کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے۔

شرک فی العبادۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے"**فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادة ربه احداً**" سورۃ کہف آیۃ نمبر ۱۱۰ الغرض شرک فی العبادۃ اور فی الحکم دونوں برابر ہیں آگے اس کی وضاحت آئے گی، انشاء اللہ۔

لاتعداد آیتوں میں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا فیصلہ قابل قبول نہیں اور یہ کہ کسی اور کے قانون کی تابعداری کفر ہے، ان آیات میں سے چند درج ذیل ہیں ۔سورۃ یوسف:۴۰۔۶۷ سورۃ انعام:۵۷ سورۃ مائدۃ:۴۴ سورۃ قصص :۸۸۔۷۰ اس جیسی دیگر آیات بھی ہیں۔

"**ولا يشرك في حكمه أحداً**" کی تفسیر میں کچھ وضاحت پہلے گزر چکی ہے وہ آیتیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں ک غیر اللہ کے قانون کی تابعداری کرنا کفر ہے تو وہ بہت

زیادہ ہیں مثلاً [سورۃ نحل:۱۰۰]، [سورۃ انعام: ۱۲۱]، [سورۃ یٰس : ۶۰]۔

(۲)۔شیخ محمد شاکر صاحب نے اپنی کتاب ''حقيقة الديمقراطية'' (جمہوریت کی حقیقت) میں لکھا ہے کہ دو قسم کے نظام ہیں (۱) اسلامی نظام (۲) طاغوتی نظام۔

اسلامی نظام میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوتا ہے ایسا زبردست جو زندہ بھی کرتا ہے اور مردہ بھی، قانون سازی حلال وحرام امر ونہی کا اختیار اسی ذات کے پاس ہے جس کے پاس آسمانوں زمینوں کی بادشاہت ہے، جو کسی اور مخلوق کیلئے نہیں، چاہئے وہ اکیلا ہو یا جماعت کی شکل میں ہو یا امت یا قبیلہ کی شکل میں ہو ان میں سے کوئی بھی کسی بھی درجہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں، مخلوق کے ذمہ تو صرف اتباع وانقیاد ہی ہے، اور یہ ایک واضح امر ہے سورج کی روشنی کی طرح ہر مسلمان کے عقیدے میں جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو۔ اس کا معنی بھی یہی ہے کہ سرداری تمام تر لوازمات کے ساتھ صرف ایک زبردست ذات کیلئے ہے۔ دلائل شرعیہ اس پر بہت زیادہ ہیں۔

چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم "**ان الحكم الا لله**" کی طرف دیکھئے اور یہ اسلوب قصر کے اسلوبوں میں سے ہے جس میں حکم صرف اللہ تعالیٰ پر مقصور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہوں میں اس کا ذکر کیا ہے سورۃ یوسف محمد حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی فرمایا گیا جب وہ جیل میں اپنے دو ساتھیوں کو دعوت دے رہے تھے، سورۃ یوسف ہی میں دوسری جگہ بھی اس کا ذکر ہے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام زبانی بیٹوں کی وصیت کے موقع پر فرمایا گیا، سورۃ انعام میں بھی آپ علیہ السلام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

اس جیسا طرز کلام دوسری کئی جگہ آیا ہے چنانچہ فرمایا:"**وله الحكم**" سورۃ قصص میں دو جگہ سورۃ انعام میں ایک جگہ ہے فیصلہ صرف اللہ ہی کا معتبر ہے۔ نیز جس طرح اللہ تعالیٰ مخلوق

کی پیدائش میں تن تنہا ہیں چنانچہ فرمایا "ألا له الخلق والأمر" سورۃ اعراف:۵۴ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا: "وأن احكم بينهم بما أنزل الله" کہ اللہ کی شریعت میں فیصلہ کرنا واجب ہے، [سورۃ
مائدۃ:۴۹]۔

نیز "وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه الى الله" [شوریٰ:۱۰]۔ میں فرمایا کہ
نزاع ختم کرکے فیصلہ اللہ کی طرف لے جاؤ، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو دیگر احکم پر اجاگر کرتا ہے۔

نیز "ولا يشرك في حكمه احدا" میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی حکم میں
شریک نہیں، [سورۃ کهف:۲۶]۔

"والله يحكم لا معقب لحكمه" [سورۃ رعد:۴۱]۔ میں فرمایا کہ حکم اللہ تعالیٰ ہی
کے ساتھ خاص ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد کسی کے حکم کا اعتبار نہیں۔

الغرض یہ ساری دلیلیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قانون بنانے، حلال وحرام امر
ونہی کا اختیار صرف واحد لاشریک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یہی اسلامی نظام کی صورت وہیئت ہے
جس کو اللہ محبوب اور پسند فرماتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کرنے والوں کو اللہ
تعالیٰ تائید، نصرت وعزت، دنیوی زندگی میں ہی عزت سے نوازتے ہیں، آخرت میں بھی مکمل
کامیابی اللہ تعالیٰ نے ایسوں کیلئے رکھی ہے۔ جبکہ طاغوتی نظام میں امر نہی قانون بنانے سب کا
اختیار غیر اللہ کیلئے ہوتا ہے یا بعض اوامر ونواہی تو اللہ اور بعض دیگر غیر اللہ کیلئے ہوتے ہیں چاہے
انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر۔

اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمہوری نظام کا فیصلہ درحقیقت طاغوتی نظام کے فیصلوں
میں سے ہوتا ہے، اور معلوم ومشہور بات ہے کہ کسی بھی بندے کا ایمان اور اسلام درست نہیں
ہوسکتا جب تک طاغوت پر کفر نہ کرے۔ اسلئے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالطاغوت اور قبول حکم اور
اس پر راضی ہونا ایسے دومتضاد کام ہیں، جو ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے

فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى" [البقرة:
] میں فرمایا ہے کہ "طاغوت پر کفر کرکے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر بھی رد فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا زعم
تے ہیں لیکن عین وقت آنے پر وہ طاغوت کے پاس اپنا فیصلہ لے جاتے ہیں، [سورۃ نساء
نمبر ۶۰] میں اسی کو ذکر کیا گیا ہے۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظام جمہوریت پر کفر کا وجوب لازمی ہے اور وہ بھی لوگ
لے ہیں جو اپنے زعم کے مطابق ایمان تو ما انزل اللہ وأنزل الی الرسول پر لاتے ہیں لیکن عین
میں وہ جمہوری نظام پر ایمان کا اعلان کرتے ہیں یا اس کو قبول کرکے اس پر راضی ہوتے ہیں
سلمان اور جمہوری شخص یہ الفاظ ایک شخص کے حق میں کبھی جمع نہیں ہوئے۔

ہاں یہ دو متضاد چیزیں اس شخص واحد کے حق میں جمع ہوسکتی ہیں اور قبول کی جاسکتی ہیں
ین اسلام کی حقیقت سے بے خبر ہو ایسا دین اسلام جو اللہ تعالیٰ کی خالص توحید پر قائم ہے اور
ک کی نفی پر قائم ہے یا ایسے لوگ جو جمہوریت کی حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ یہ کفر عظیم اور اللہ تعالیٰ
اتہار کے ساتھ شریک ٹھہرانے پر مشتمل ہے۔

جمہوری نظامِ حکومت، اسلامی نظامِ حکومت کی ضد ہے

ڈیموکریٹ (جمہوری لوگوں کی) تعریف کے مطابق جمہوری نظام میں دو چیزوں کا
ہ کہا جاتا ہے۔

پہلی چیز:

اللہ تعالیٰ کے حکم کو برطرف کرنا، (حالانکہ) اصل حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اور اللہ تعالیٰ
اللہ ہی کے حکم سے صاحب اقتدار کو حکومت ملتی ہے۔

اسی وجہ سے جمہوری نظام اسلامی نظام کی ضد ہے۔ کیونکہ ہم جان چکے ہیں کہ اسلامی نظام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اصل اقتدار اور قانون سازی صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لئے۔

دوسری چیز:

جمہوری نظام کا شرعی احکام کو تسلیم نہ کرنا، نہ ماننا، اور وجوبی طور پر اس کو نافذ نہ کرنا ہے۔ اور شرعی احکام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور ان مسلمان مجتھدین فقہاء کے استنباطات کو شامل ہیں جو ان شرعی احکام کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اجتہاد کے ذریعے مستنبط کرتے ہیں۔

اس وجہ سے بھی جمہوری نظام، اسلامی نظام کی ضد ہے۔ پس اسلامی نظام (جیسا کہ معلوم ہوا) سب سے پہلے دلیل قطعی سے ثابت شدہ ہر حکم شرعی پر عمل کرنے کو فرض قرار دیتا ہے۔ یا ایسے دلیل ظنی سے ثابت شدہ حکم پر عمل کرنے کو ضروری خیال کرتا ہے جن پر اکثر فقہاءِ عصر (جو اجتہاد و ترجیح کے اہل ہیں) کا اتفاق ہو۔

اس کے بعد پھر طبقہء مسلمین میں قابل اور اہل لوگوں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ ایسا نظم ونسق وحکومت بنائیں جس کو وہ لوگوں کے حق میں زیادہ بہتر اور مفید سمجھیں اور لوگوں کے حق میں زیادہ بہتری کا باعث ہو۔ بشرطیکہ وہ شرعی بابت شدہ حکم کے معارض نہ ہو۔ اگر چہ وہ مباح حکم ہی کیوں نہ ہو۔

جب ایسا ہے تو جمہوری حکومت اپنی تعریف کے موجب اور اس کی نافذ شدہ صورت کے مطابق ایسا نظام ہے جو حکومتی امور سے مکمل طور پر دین کی چھٹائی کرتا ہے اور دین کو حکومتی امور سے بیدخل کرتا ہے۔ اور دین کو حکومتی نظم ونسق سے بالکل خارج کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ سیکولرازم کے مشابہہ ہے۔ (کواشف زیوف ص: ۶۹۴، ۶۹۵)۔

(۳) الاضافة من الزرقاوی الشهيد رحمه الله:

وان ما أعظم ما حرص الاسلام على بقاء صفائه ونقائه وتميزه ؛ هو شخصية هذا الدين ، وقبوله كما أنزل بأوامره وزواجره وحدوده وقواعده ، بعيداً عن التمييع والتشويه ، والغلو والافراط والتفريط ، وهذا ما جاء مؤكداً فی كثير من الآيات القرآنية والأحاديث النبوية .

قال اللّه تعالىٰ : ﴿فاستقم كما أمرت ومن تاب معك ولا تطغوا انه بما تعملون خبير﴾ ، وقال سبحانه : ﴿واتبع ما يوحىٰ اليک واصبر حتى يحكم الله وهو خير الحاكمين﴾ ، وقال سبحانه : ﴿وأن احكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوائهم واحذرهم أن يفتنوک عن بعض ما أنزل الله اليک﴾ ، وقال سبحانه : ﴿فاستمسک بالذی أوحی اليک انک على صراط مستقيم﴾ ، وقال جل من قائل : ﴿اتبعوا ما أنزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه أولياء قليلاً ما تذكرون﴾ ، وقال سبحانه : ﴿وأن هذا صراطی مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله﴾ .

وقال النبی ﷺ : (من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد) .

وقال عليه الصلاة والسلام : (فانه من يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً ، فعليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدی ، عضوا عليها بالنواجذ ، واياكم ومحدثات الأمور فان كل بدعة ضلالة) .

جاء ت الديمقراطية لتقول لنا؛

ان لاشعب فی النظام الديمقراطی هو الحكم والمرجع ، وله كلمة الفصل والبت فی كل القضايا ، فحقيقته فی هذا النظام تقول ؛ "لا راد لقضائه ولا معقب لحكمه ، له الحكم واليه يرجعون ، ارادته مقدسة ، واختياره ملزم ، وآراؤه مقدمة محترمة ، وحكمه حكمة عدل ، من رفعه رفع ، ومن وضعه وضع ، فما أحله الشعب هو الحلال ، وما حرمه هو الحرام ، وما رضيه قانوناً ونظاماً وشريعة فهو المعتبر ، وما عداه فلا حرمة له ولا قيمة ولا وزن ، وان كان ديناً قويماً وشرعاً حكيماً من عند رب العالمين" !.

وهذا الشعار ـ أعنى حكم الشعب للشعب ـ هو لب النظام الديمقراطی

وجوهره ومحوره وقطب رحاه الذى تدور عليه كل قضاياه ومسائله ، فلا وجود له الا بذلك .

فهذا هو "دين الديمقراطية" ، الذى يحل ويعظم جهاراً نهاراً ، وهذا ما يقرره منظروها ومفكروها ودعاتها على رؤوس الأشهاد ، وهو ما نشاهده ونلمسه فى الواقع الذى نراه ونعاينه .

فالديمقراطية ــ على اختلاف يشعباتها وتفسيراتها ــ تقوم على مبادىء وأسس نوجز أهمها فى النقاط التالية :

أولاً :

تقوم الديمقراطية على مبدأ أن الشعب هو مصدر السلطات ، بما فى ذلك "السلطة التشريعية" ، ويتم ذلك عن طريق اختيار ممثلين عن الشعب ينوبون عنه فى مهمة التشريع وسن القوانين ، وبعبارة أخرى ؛ فان المشرع المطاع فى الديمقراطية هو الانسان وليس الله ، وهذا يعنى أن المألوه المعبود المطاع من جهة التشريع والتحليل والتحريم هو الشعب والانسان والمخلوق ، وليس الله تعالىٰ .

وهذا عين الكفر والشرك والضلال ، لمناقضته لأصول الدين والتوحيد ، ولتضمنه اشراك الانسان الضعيف الجاهل مع الله سبحانه وتعالىٰ فى أخص خصائص الاهيته ، ألا وهو الحكم والتشريع .

قال تعالىٰ : ﴿ان الحكم الا لله أمر ألا تعبدوا الا اياه﴾ ، وقال تعالىٰ : ﴿ولا يشرك فى حكمه احداً﴾ .

وقال تعالىٰ : ﴿وما اختلفتم فيه من شىء فحكمه الى الله﴾ ، وليس الى الشعب أو الجماهير أو الكثرة الكاثرة .

وقال تعالىٰ : ﴿أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكماً لقوم يوقنون﴾ ، وقال تعالىٰ : ﴿قل أفغير الله أبتغى حكماً وهو الذى أنزل اليكم الكتاب مفصلا﴾ .

وقال تعالىٰ : ﴿أم لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله﴾ ؛

فسمى الذين يشرعون للناس بغير سلطان من الله تعالىٰ "شركاء وأنداداً" .

وقال تعالىٰ : ﴿وأن احكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوائهم واحذرهم أن يفتنوك عن بعض ما أنزل الله اليك﴾ ، وقال تعالىٰ : ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله﴾ .

جاء فى الحديث عن عدى بن حاتم ، لما قدم على النبى ﷺ ــ وهو نصرانى ــ فسمعه يقرأ هذه الآية : ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله﴾ ، قال : فقلت له : (انا لسنا نعبدهم) ــ أى لم نكن نعبدهم من جهة التنسك والدعاء والسجود والركوع ، لظنه أن العبادة محصورة فى هذه المعانى وحسب ــ قال: (أليس يحرمون ما أحل الله فتحرمونه، ويحلون ما حرم الله فتحلون؟)، قال: فقلت: (بلى)، قال: (فتلك عبادتهم) .

ورحم الله سيّد قطب اذ يقول : (ان الناس فى جميع الأنظمة الأرضية يتخذ بعضهم بعضاً أرباباً من دون الله ، يقع فى أرقى الديمقراطيات ، كما يقع فى أحط الديكتاتوريات ، سواء) .

وقال : (أظهر خصائص [illegible] بالقياس الى البشرية ؛ تعبيد العبيد ، والتشريع لهم فى حياتهم ، واقامة الموازين لهم ، فمن ادعى لنفسه شيئاً من هذا كله ؛ فقد ادعى لنفسه أظهر خصائص الألوهية ، وأقام نفسه للناس الهاً من دون الله) .

وقال : (ان الذى يملك حق التحريم والتحليل هو الله وحده ، وليس ذلك لأحد من البشر ، لا فرد ولا طبقة ، ولا أمة ، ولا الناس أجمعين الا بسلطان من الله ووفق شريعة الله) انتهى كلامه .

ثانياً :

تقوم الديمقراطية على مبدأ حرية التدين والاعتقاد ، فللمرء فى ظل الأنظمة الديمقراطية أن يعتقد ما يشاء ، ويتدين بالدين الذى يشاء ، ويرتد الى أى دين وقتما شاء ، وان كان هذا الارتداد مؤداه الى الخروج عن دين الله تعالىٰ ، الى الالحاد وعبادة غير الله عز وجل .

وهذا أمر لا شك فى بطلانه وفساده ، ومغايرته لكثير من النصوص

الشرعية ، اذ أن المسلم لو ارتد عن دينه الى الكفر ، فحكمه فى الاسلام ؛ القتل ، كما فى الحديث الذى يرويه البخارى وغيره : (من بدل دينه فاقتلوه) ، وليس "فاتركوه" !

فالمرتد لا يصح أن يعقد له عهد ولا أمان ولا جوار ، وليس له فى دين الله الا ؛ الاستتابة أو السيف .

ثالثاً :

تقوم الديمقراطية على اعتبار الشعب حكماً أوحد ، ترد اليه الحكومات والخصومات ، فاذا حصل أى اختلاف أو نزاع بين الحاكم والمحكوم ؛ نجد أن كلاً من الطرفين يهدد الآخر بالرجوع الى ارادة الشعب والى اختياره ، ليفصل الشعب ما كان بينهما من نزاع أو اختلاف .

وهذا مغاير ومناقض لأصول التوحيد ، التى تقرر أن الحَكَم الذى يفصل بقضائه بين النزاعات هو الله تعالىٰ ، وليس أحد سواه ، قال تعالىٰ : ﴿وما اختلفتم فيه من شىء فحكمه الى الله﴾ .

بينما الديمقراطية تقول ؛ "وما اختلفتم فيه من شىء فحكمه الى الشعب ، وليس الى أحد غير الشعب" !

وقال تعالىٰ : ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم فان تنازعتم فى شىء فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر﴾ .

قال ابن القيم رحمه الله تعالىٰ فى كتابه "اعلام الموقعين" : (جعل هذا الرد من موجبات الايمان ولوازمه ، فاذا انتفى هذا الرد ، انتفى الايمان ، ضرورة انتفاء الملزوم لانتفاء الآخر) انتهى كلامه .

ثم ان ارادة التحاكم الى الشعب أو الى أى جهة أخرى ـ غير الله تعالىٰ ـ يعتبر فى نظر الشرع من التحاكم الى الطاغوت الذى يجب الكفر به ، كما قال تعالىٰ : ﴿ألم تر الى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل اليك وما أنزل من قبلك يريدون أن يتحاكموا الى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به﴾ ، فجعل الله سبحانه

وتعالىٰ ايمانهم زعماً ومجرد ادّعاء لا حقيقة له ، لمجرد حصول الارادة فى التحاكم الى الطاغوت والى شرائعه .

وكل شرع غير شرع الله ، أو حكم لا يحكم بما أنزل الله ؛ فهو يدخل فى معنى الطاغوت الذى يجب الكفر به .

رابعاً :

تقوم الديمقراطية على مبدأ حرية التعبير والافصاح ، أياً كان هذا التعبير ، ولو كان مفاده طعناً وسباً للذات الالهية وشعائر الدين ، اذ لا يوجد فى الديمقراطية شىء مقدس يحرم الخوض فيه أو التطاول عليه بقبيح القول .

قال تعالىٰ : ﴿لا يحب الله الجهر بالسوء من القول الا من ظلم﴾ ، وقال تعالىٰ : ﴿ولئن سألتهم ليقولن انما كنا نخوض ونلعب قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزؤن لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم ان نعف عن طائفة منكم نعذب طائفة﴾ .

خامساً :

تقول الديمقراطية على مبدأ ؛ فصل الدين عن الدولة وعن السياسة والحيلة ، فما لله لله ـ وهو فقط العبادة فى الصوامع والزوايا ـ وكاسى ذلك من مرافق الحيلة السياسة والاقتصادية والاجتماعية وغيرها ، فهى من خصوصيات الشعب .

﴿فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركائنا فما كان لشركائهم فلا يصل الى الله وما كان لله فهو يصل الى شركائهم ساء ما يحكمون﴾ .

وهذا القول منهم ؛ معلوم من ديننا بالضرورة فساده وبطلانه وكفر القائل به ، لتضمنه الجحود الصريح ، كما هو معلوم من الدين بالضرورة ، فهو جحود صريح لبعض الدين الذى نص على أن الاسلام دين دولة وسياسة ، وحكم وتشريع ، وأنه أوسع بكثير من أن يحصر فى المناسك ، أو بين جدران المعابد .

وهذا مما لا شك فيه أنه كفر بواح بدين الله تعالىٰ ، كما قال تعالىٰ : ﴿أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض فما جزاء من يفعل ذلك منكم الا خزى

فى الحياة الدنيا ويوم القيامة يردون الى أشد العذاب﴾ ، وقال تعالىٰ : ﴿ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلاً أولئك هم الكافرون حقاً وأعتدنا للكافرين عذاباً أليماً﴾ .

سادساً :

تقوم الديمقراطية على مبدأ حرية تشكيل التجمعات والأحزاب السياسة وغيرها ، أياً كانت عقيدة وأفكار وأخلاقيات هذه الأحزاب .

وهذا مبدأ باطل شرعاً ، وذلك من أوجه :

منها ؛ أنه يتضمن الاقرار والاعتراف ـ طوعاً من غير اكراه ـ بشرعية الأحزاب والجماعات ، بكل اتجاهاتها الكفرية والشركية ، وأن لها الحق فى الوجود ، وفى نشر باطلها وفسادها وكفرها فى البلاد وبين العباد .

وهذا مناقض لكثير من النصوص الشرعية ، التى تثبت أن الأصل فى التعامل مع المنكر والكفر ؛ انكاره وتغييره ، وليس اقراره والاعتراف بشرعيته ، قال تعالىٰ : ﴿وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله﴾ .

قال ابن تيمية رحمه الله : (فكل طائفة ممتنعة عن التزام شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة المتواترة ؛ يجب جهادها حتى يكون الدين كله لله باتفاق العلماء) انتهى كلامه رحمه الله .

ومنها ؛ أن هذا الاعتراف الطوعى بشرعية الأحزاب الكافرة يتضمن الرضى بالكفر ، وان لم يصرح بفمه أنه يرضى بحريتها ، والرضى بالكفر ؛ كفر .

قال تعالىٰ : ﴿وقد نزّل عليكم فى الكتاب أن اذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا فى حديث غيره انكم اذاً مثلهم ان الله جامع المنافقين والكافرين فى جهنم جميعاً﴾ .

تقوم الديمقراطية على مبدأ اعتبار موقف الأكثرية ، وتبنّى ما تجتمع عليه الأكثرية ، ولو اجتمعت على الباطل والضلال والكفر البواح ، فالحق فى نظر الديمقراطية ـ الذى لا يجوز الاستدراك أو التعقيب عليه ـ هو ما تقرره الأكثرية وتجتمع عليه ، لا غير .

وهذا مبدأ باطل لا يصح على اطلاقه ، حيث ان الحق فى نظر الاسلام هو ما يوافق الكتاب والسنة ، قل أنصاره أو كثروا ، وما يخالف الكتاب والسنة ؛ فهو الباطل ، ولو اجتمعت عليه أهل الأرض قاطبه .

قال تعالىٰ : ﴿وما يؤمن أكثرهم بالله الا وهم مشركون﴾ .

وقال تعالىٰ : ﴿وان تطع أكثر من فى الأرض يضلوك عن سبيل الله ان يتبعون الا الظن وان هم الا يخرصون﴾ ، فدلت الآية الكريمة ؛ أن طاعة واتباع أكثر من فى الأرض ضلال عن سبيل الله تعالىٰ ، لأن الأكثرية على ضلال ، ولا يؤمنون بالله الا وهو يشركون معه آلهة أخرى .

وقال عبد الله بن مسعود رضى الله عنه لعمر بن مميون : (جمهور الجماعة هم الذين فارقوا الجماعة ، والجماعة ما وافق الحق وان كنت وحدك) .

وقال الحسن البصرى : (فان أهل السنة كانوا أقل الناس فيما مضى ، وهم أقل الناس فيما بقى ، الذين لم يذهبوا مع أهل الاتراف فى اترافهم ، ولا مع أهل البدع فى بدعهم ، وصبروا على سنتهم حتى لقوا ربهم ، فكونوا كذلك) .

ومما يلفت النظر ويشتد له العجب ...

أنه رغم ما جرّت التجارب الديمقراطية على المسلمين من نتائج سيئة ووخيمة ، أفضت الى الضعف والاختلاف والتفرق والشقاق والنزاع ، حيث الجماعة أصبحت جماعات ، والحزب أصبح أحزاب ، والحركة أصبحت حركات متنافرة متباغضة .

رغم كل ذلك وغير ذلك مما يشين ؛ فان أقواماً لا يزالون يستعذبون الديمقراطية وينافحون عنها ، كأنهم أربابها وصانعيها ، أشربوا فى قلوبهم حب الديمقراطية كما أشرب بنو اسرائيل من قبل فى قلوبهم حب العجل ، فما نفعهم سمعهم ؛ فردعتهم الآيات القرآنية والنصوص الشرعية ، ولا نفعتهم عقولهم وأبصارهم ؛ فبصرتهم بالواقع المرير الناتج عن تطبيق الديمقراطية .

وتعذر بعضهم بشبهة "المصلحة" و "الوصولية للقرار والسيادة عن طريق الديمقراطية" ، واتخذوها سبيلاً لنيل المقاصد الشرعية والدينية ، ولم يلتفتوا

لشرعية هذه الوسائل وأحكامها فى دين الله عزّ وجل ، ودخلوا من جحر المساومة والمقايضة على ثوابت العقيدة والمنهج باسم "المصلحة" و "الغاية" .

روى الطبرى فى تفسيره قال : لقى الوليد بن المغيرة ، والعاص بن وائل ، والأسود بن المطلب وأمية بن خلف ؛ رسول الله ﷺ ، فقالوا : (يا محمد ! هلم فلنعبد ما تعبد ، وتعبد ما نعبد ، ونشركك فى أمرنا كله ، فان كان الذى جئت به خيراً مما بأيدينا كنا قد شركناك فيه وأخذنا بحظنا منه ، وان كان الذى بأيدينا خير مما فى يديك كنت قد شركتنا فى أمرنا وأخذت منا بحظك) ، فانزل الله : ﴿قل يا أيها الكافرون﴾ ، حتى انقضت السورة .

انا نجد فى هذه الحادثة ؛ أن قريشاً طلبت من رسول الله ﷺ أن يتنازل لها ، وتتنازل له ، حتى يلتقيا حول نقطة واحدة .

وقد يقول قائل : لو أن رسول الله ﷺ وافقهم على ذلك وطلب منهم أن يبدؤوا بعبادة الله أولاً ، فانهم اذا عرفوا الاسلام لن يرجعوا عنه ، وفى هذا تحقيق مكسب كبير للاسلام ، وتحقيق انتصار ، ورفع للبلاء الذى يلاقيه المسلون .

والجواب ؛ أن الله قد حسم هذه القضية : ﴿لا أعبد ما تعبدون ☆ ولا أنتم عابدون ما أعبد﴾ ، وفى آخرها : ﴿لكم دينكم ولى دين﴾ .

فالقضية قضية مبدأ ، غير قابلة للمساومة ، ولا للتنازل قيد أنملة ، فهٰذه مسألة من مسائل العقيدة ، بل هى العقيدة نفسها .

ان التأمل فى هذه القضية ، وكيف حسمها القرآن ، يعطى من الدروس ما نحن بأمس الحاجة اليه ، بل يرسم منهجاً واضحاً جلياً فى كيفية مواجهة أساليب كثير من أعداء الاسلام ــ حاضراً ومستقبلاً ــ

فلو سالمتهم يا أيها المسلم ؛ فهم لا يسالمونك الا بشرط التخلى عن دينك وتدخل فى موالاتهم وطاعتهم فى منهجهم الديمقراطى الخبيث ، وبخاصة ان كانوا هم الطرف الأقوى ، وبخاصة ان كانوا هم الطرف القوى فى المعركة .

وان طمعت يوماً أن يرضوا عنك دون أن تتبع ملتهم ؛ فأنت واهم .

وعليك بقراء ة القرآن من جديد ، ومراجعة التاريخ القريب منه والبعيد ،

لتقرأ صفحات الغدر والحقد والا جرم التى مورست ــ ولا نزال تُمارس ــ بحق الاسلام والمسلمين .

زرقاوی شہیدؒ کی عبارات کا خلاصہ میں اپنی عبارت اور اپنے الفاظ میں قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں تا کہ ان کی عبارات کا مفہوم صحیح طریقہ سے ذہن نشین ہو جائے:

اسلام نے اپنی بقا کے لیے جس چیز پر بہت زیادہ توجہ دی ہے وہ اس دین کی امتیازی حیثیت ہے (کہ اسلام کی امتیازی حیثیت برقرار رہے) اور اس دین کو اس کے اوامر وزواجر ،اس کے حدود وقواعد کے ساتھ اسی طرح قبول کرنا جس طرح کہ یہ نازل ہوا ہے۔اور غلو، افراط وتفریط سے دور ہونا اور اس کی تاکید کئی آیات اور احادیث میں کی گئی ہے۔فرمانی ربانی ہے: ﴿فاستقم كما أمرت ومن تاب معك ولا تطغوا انه بما تعملون خبير﴾. یعنی "تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا، اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"۔ (ہود: ۱۱۲) فرمانِ ربانی ہے: ﴿ واتبع ما يوحى اليك واصبر حتى يحكم الله وهو خير الحاكمين﴾ "اور تو چل اس پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور صبر کر جب تک فیصلہ کرے اللہ، اور وہ ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا۔" (یونس: ۱۰۹) فرمان الٰہی ہے: ﴿وأن احكم بما أنزل الله ولا تتبع أهوائهم واحذرهم أن يفتنوك عن بعض ما أنزل الله اليك﴾ "اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر۔" (المائدہ: ۴۹) اور فرمایا: ﴿ فاستمسك بالذى أوحى اليك انك على صراط مستقيم﴾ یعنی "سو تو مضبوط پکڑے رہ اسی کو جو تجھ کو حکم پہنچا تو ہے بے شک سیدھی راہ پر" (الزخرف: ۴۳) اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اتبعوا ما أنزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه من أولياء قليلاً ما تذكرون﴾ یعنی "چلو اسی پر جو اترا تم پر

تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے، تم بہت کم دھیان کرتے ہو"۔(الاعراف: ٣) اور فرمایا:﴿وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله﴾ "اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور راستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے"[الانعام : ١٥٣]۔

اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:"جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں نہ ہو پھر تو وہ مردود ہے"۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے:"تم میں سے جو زندہ رہا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑو اور خبردار نئی ایجاد کردہ امور سے بچوں کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے"۔

جمہوریت کہتی ہے کہ جمہوری نظام میں عوام ہی سب حاکم اور قانون ساز ہے اور تمام مقدمات میں عوام ہی فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں پس اس نظام کی حقیقت یہ ہے کہ عوام کی بات کو نہ کوئی رد کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی مؤخر کرسکتا ہے۔ عوام ہی کا فیصلہ قطعی ہے اور عوام کی طرف ہی رجوع ہوگا۔ عوام کی رائے مقدس ہے اور عوام کی اختیار کی ہوئی پالیسی ہی لازم ہے عوام کی رائے محترم ہے، اور عوام کا فیصلہ ہی انصاف ہے، جس چیز کو عوام منظور کرے وہ قانون ہے اور جس کو عوام مسترد کر دے وہ مسترد ہوگا۔ جس چیز کو عوام حلال قرار دے وہ حلال ہوگا اور جس کو عوام حرام قرار دے وہ حرام ہوگا اور جس قانون، نظام اور شریعت پر عوام راضی ہو وہ ہی معتبر ہوگا اس کے علاوہ جو چیز ہے تو اس کی کوئی حیثیت، کوئی قیمت، کوئی وزن نہیں ہوگا اگرچہ وہ اللہ رب العلمین کی طرف سے نازل شدہ قوی دین اور شرعی حکم ہی کیوں نہ ہو۔

اور یہ شعار (یعنی عوام کے لئے عوام کی حکومت) یہ جمہوری نظام کا مغز، اس کی حقیقت، اس کا محور اور چکی کا وہ مدار ہے جس پر جمہوریت کا ہر فیصلہ اور حکم چلتا ہے۔ اور اس کے

بغیر جمہوریت کا کوئی وجود نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ جمہوری دین ہے جس کی تعظیم علی الاعلان روزِ روشن کی جاتی ہے۔ اور یہ وہ دین ہے جس کے مفکرین اور داعی ساری مخلوق پر اس کا رنگ جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم فی الواقع اس کا مشاہدہ ومعاینہ کرتے رہتے ہیں۔

پس جمہوریت (اپنی مختلف تفسیروں وتعبیروں کے ساتھ) کچھ بنیادوں پر قائم ہے جن کے کچھ اہم نقاط کو ہم ذیل میں مختصراً بیان کریں گے۔

(١) جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ عوام ہی اقتدار واختیار کا منبع ہیں (ہی حاکمِ اعلیٰ اور قانون ساز ہے)۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمہوریت ۔ مقتدرِ اعلیٰ انسان ہی ہوتا ہے اللہ پاک کی ذات نہیں۔ یعنی قانون سازی اور حلال وحرام کرنے کی جہت سے عوام، انسان، اور مخلوق ہی پوجنے والی ذات، معبود ذات اور اطاعت کے لائق ذات بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں۔ اور یہ عین کفر وشرک اور گمراہی ہے کیونکہ یہ صورت اصولِ دین اور توحید کی ضد ہے اور کمزور، جاہل انسان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں شریک کرنے کو متضمن ہے اور وہ خاص صفت اقتدارِ اعلیٰ اور قانون سازی ہے (جو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے)۔ فرمانِ الٰہی ہے:﴿ان الحكم الا لله أمر الا تعبدوا الا اياه﴾ یعنی "حکم خدا ہی کا ہے۔ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ بجز اس کے اور کسی کی عبادت مت کرو"۔ (یوسف: ٤٠) اور فرمایا:﴿ولا يشرك في حكمه أحداً﴾ "اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے"۔ (کہف: ٢٦) اور فرمایا:﴿وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه الى الله﴾ یعنی "اگر تم کسی چیز میں مختلف ہو جاؤ تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لوٹاؤ"۔ عوام، جمہور یا کثرت کی طرف نہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے:﴿أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يوقنون﴾ یعنی "یہ لوگ کیا پھر زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک۔"

(المائدہ: ۵۰) اور فرمایا: ﴿أفغیر اللّٰہ أبتغی حکما وھو الذی أنزل الیکم الکتاب مفصلا﴾ ''تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے اس کی یہ حالت ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں''۔ (انعام:۱۱۴) اور فرمانِ باری ہے: ﴿ان لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللّٰہ﴾ ''اور کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی''۔ (شوریٰ:۱۱۴) پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے امر کے بغیر فیصلہ کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے ''شرکاء'' اور اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿وأن احکم بینھم بما أنزل اللّٰہ ولا تتبع أھوائھم واحذرھم أن یفتنوک عن بعض ما أنزل اللّٰہ الیک﴾ ''اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے احتیاط رکھیئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلاویں''۔ (مائدہ: ۴۹) اور فرمانِ خداوندی ہے: ﴿اتخذوا أحبارھم ورھبانھم أربابا من دون اللّٰہ﴾ ''انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔ (توبۃ: ۳۱)۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے (اس وقت وہ نصرانی تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا: ﴿اتخذوا أحبارھم ......الخ﴾ یعنی ''انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ہم تو علماء واحبار کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کیا ایسی بات نہ تھی کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو جب علماء واحبار حرام قرار دیتے تھے تو تم اس کو حرام سمجھتے تھے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو جب وہ حلال قرار دیتے تھے تو تم اس کو حلال

سمجھ لیتے تھے۔ میں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا تھا۔ فرمایا: یہی ان کی عبادت تھی۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے عبادت کو صرف دعا، رکوع وغیرہ معانی ومطالب میں محصور جانا اس لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا یہی تو ان کی عبادت تھی۔

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تحقیق تمام ارضی نظاموں میں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایک دوسرے کو خدا بنایا ہوا ہے۔'' اور فرماتے ہیں: ''الوہیت کی سب سے واضح خصوصیت بندوں کو تابعدار کرنا، ان کے لیے ضابطہ حیات بنانا اور ان کے لیے ایک میزان قائم کرنا ہے۔'' پس اگر کوئی اپنی ذات کے لیے ان خصوصیات میں سے کسی خصوصیت کا مدعی ہو (اور اپنی ذات کے لیے کسی خصوصیت کا دعوی کرے) تو اس نے اپنی ذات کے لیے الوہیت کی سب سے واضح خصوصیات میں سے کسی خصوصیت کا دعوی کیا ہے اور لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے بجائے خود خدا بن بیٹھا ہے۔

مزید فرماتے ہیں: ''یقیناً کسی چیز کو حلال اور حرام کرنے کا حق صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے اور کسی فردِ بشر کو یہ حق حاصل نہیں۔ نہ کسی فرد کو، نہ کسی جماعت کو، نہ کسی گروہ کو اور نہ ہی تمام انسانوں کو الا یہ کہ اس اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل وحجت ہو اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے موافق ہو''۔ (انتہی کلامہ)۔

(۲) جمہوریت کی بنیاد دین وعقیدہ کی آزادی پر ہے (اور مذہب وعقیدہ سے بیزاری پر ہے) پس جمہوری نظام میں ہر شخص کو آزادی حاصل رہے کہ وہ جو چاہے عقیدہ رکھے اور جو چاہے مذہب اختیار کرے، جب چاہے جس دین وملت کی طرف لوٹ جائے، اگرچہ اس کا یہ لوٹنا اللہ تعالیٰ کے دین سے نکلنے اور الحاد اور غیر اللہ کی عبادت کی طرف ہی کیوں نہ ہو (وہ بالکل آزاد و مختار ہے جو چاہے کرے) اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کے باطل اور فاسد ہونے اور بہت سی شرعی نصوص کے معارض ومخالف ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پس اگر کوئی مسلمان اپنے دین سے کفر کی

طرف لوٹ جائے اور مرتد ہو جائے تو اسلام میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت کردہ حدیث میں ہے: ''جو مسلمان اپنے دین کو بدل ڈالے (مرتد ہو جائے) اس کو قتل کر ڈالو۔'' حدیث میں یہ نہیں کہ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو (بلکہ اس کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ پس مرتد کو نہ امان دینا صحیح ہے، نہ اس کے لیے کوئی عہد رہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی قربت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں اس کے لیے صرف فو ہی راستے ہیں یا توبہ کرے (اور اپنی دین کی طرف لوٹ آئے) یا اس کو قتل کر دیا جائے۔

(٣) جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ فیصلہ کرنا اور قانون سازی کرنا صرف عوام کا کام ہے، اپنے تمام خصوصیات نزاعات کا فیصلہ عوام ہی کرے گی۔ چنانچہ اگر حاکم ومحکوم کے درمیان کسی بھی طرح کا نزاع اور اختلاف ہو جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو عوامی قانون کی طرف رجوع کرنے اور اس پر فیصلہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تا کہ فریقین میں واقع ہونے والے اختلاف ونزاع کا جمہوری قانون کے ذریعے تصفیہ کیا جائے۔ اور یہ بات بھی توحید کے ان اصولوں کے منافی ہے اور مباہن ہے جس میں یہ طے ہے کہ تمام نزاعات واختلافات اور جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه الى الله﴾ ''اور جس بات میں جھگڑا کرتے ہو تم لوگ کوئی چیز اس کا فیصلہ ہے اللہ تعالیٰ کے حوالے''۔ (ہود: ١٠) اور جمہوریت کہتی ہے کہ اگر تمہارا کسی چیز میں کوئی اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ عوام کرے گی عوام کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔

اور فرمانِ خداوندی ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم فان تنازعتم فى شيء فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر﴾ ''اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں

کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ اور رسول کی طرف اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر''۔ [نساء: ٥٨]۔

ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے تنازعات اور اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کو ایمان کے اثرات اور لوزمات میں سے قرار دیا ہے۔ پس اگر اللہ اور رسول کی طرف لوٹانا منتفی ہو جائے تو ایمان بھی منتفی ہو جاتا ہے ضرورۃ انشفاء الملزوم لانتفاء الآخر انتہی اور یقیناً اپنے مقدمے کو عوام کے پاس یا اللہ کے ماسوا کسی اور طرف لیے جانے کا ارادہ کرنا شریعت کی نظر میں طاغوت کے پاس لے جانے کی طرح ہے جس کا انکار کرنا واجب ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ألم تر الى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل اليک وما أنزل من قبلک يريدون أن يتحاكموا الى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به﴾ ''کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے اس پر جو اترا میری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے، چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں''۔ [النساء: ٦٠]۔

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لیے طاغوت اور طاغوتی قانون کی طرف جانے کا صرف ارادہ کرنے والے کے ایمان کو زعم اور صرف زبانی دعویٰ قرار دیا ہے، جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ اور اللہ کی شریعت کے علاوہ ہر قانون، یا ہر وہ حکم جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہ ہو وہ طاغوت کے حکم میں ہے، جس کا انکار کرنا واجب ہے۔

(٤) جمہوریت کی بنیاد آزادیٔ رائے پر ہے۔ چاہے وہ اظہار رائے کیسی ہی کیوں نہ ہو، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور دینی شعائر پر کیچڑ ہی کیوں نہ اچھالا جائے۔ جمہوریت میں کوئی بھی چیز ایسی مقدس نہیں ہوتی جس پر تبصرہ وتنقید جائز نہ ہو یا اس پر کیچڑ نہ اچھالا جائے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لا يحب الله الجهر بالسوء من القول الامن ظلم﴾ ''اللہ تعالیٰ کو

پسند نہیں کسی کی بُری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو''۔(النساء: ۱۴۸) اور فرمانِ خداوندی ہے:﴿ولئن سألتهم ليقولن انما كنا نخوض ونلعب قل أبالله و آياته ورسوله كنتم تستهزؤن لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم ان نعف عن طائفة منكم نعذب طائفة﴾ ''اور اگر تم ان پوچھے تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی تو کہہ کیا اللہ سے اور اس کے حکموں سے اور اس کے رسول سے تم ٹھٹھ کرتے تھے، بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے اظہارِ ایمان کے پیچھے اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو''۔[توبۃ: ۶۵، ۶۶]۔

(۵) جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دین کو حکومت، سیاست اور زندگی سے الگ کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کے لیے صرف اتنی چیز ہے کہ کسی عبادگاہ اور کسی کونے میں اس کی عبادت کی جائے، اس کے علاوہ ضروریات زندگی، سیاست، اقتصادیات، اجتماعی امور وغیرہ یہ عوامی خصوصیات ہیں (اس میں عوام جیسے چاہے وہ کریں، دین کا اس میں کوئی گزر نہیں) فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركآئنا فما كان لشركائهم فلا يصل الى الله وما كان لله فهو يصل الىٰ شركائهم سآء ما يحكمون﴾ ''پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کی طرف کیا ہی بُرا انصاف کرتے ہیں''۔[انعام: ۱۳۶]۔

ان کے اس قول کا فساد اور بطلان، اور اس کے قائل کا کفر بالکل واضح ہے، کیونکہ یہ انکار کو متضمن ہے۔ جیسا کہ بالکل معلوم بات ہے۔ پس یہ دین کے ان نصوص کا صریح انکار ہے جس میں واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ اسلام حکومت وسیاست، فیصلہ کرنے اور قانون سازی وغیرہ

ہر جگہ ملحوظ رکھا جائے گا۔ اور اسلام صرف چند عبادات یا چند عمارات میں محصور ومحدود نہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ صریح کفر ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:﴿أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض فما جزآء من يفعل ذلك منكم الا خزى فى الحياة الدنيا ويوم القيامة يردون الى أشد العذاب﴾ ''تو کیا مانتے ہو بعض کتاب اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں''۔ (البقرہ: ۸۵) اور فرمایا:﴿ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلا أولئك هم الكافرون حقا وأعتدنا للكافرين عذابا مهينا﴾ ''اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے ہیں بعضوں کو، اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ، ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر، اور ہم نے تیار کر رکھا کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب''۔[نساء:۱۵۰]۔

(۶) جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تمام گروہ اور سیاسی جماعتیں وغیرہ اپنی تشکیل میں آزاد ہیں، یہ جماعتیں جو عقیدہ، خیالات اور اخلاقیات چاہیں رکھیں (ان کو مکمل آزادی حاصل ہے) اور یہ بنیاد شرعاً باطل ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

(الف) یہ اپنی رضامندی اور خوشی سے، بغیر کسی زبردستی کے ان گروہوں اور جماعتوں کے کفریہ اور شرکیہ رجحانات کے شرعی ہونے کے اعتراف کو متضمن ہے۔ اور ان جماعتوں اور پارٹیوں کا اپنے باطل، فساد اور کفر کا لوگوں اور شہروں میں پھیلانے کو جائز سمجھنے کا اقرار ہے اور یہ بات ان [illegible] سے شرعی نصوص کے مخالف ومباین ہے جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ کفر اور بُرائی سے انکار، اور ان کو بدلنے کا معاملہ کیا جائے، ان کے شرعی ہونے کا اقرار اور اعتراف نہ کیا جائے۔ فرمانِ خداوندی ہے:﴿وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله﴾ ''اور

لڑوں ان سے یہاں تک کہ نہ رہے باقی فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا‘‘۔[توبۃ: ۱۹۳]۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’ہر وہ جماعت جو اسلام کے ظاہری متواتر ضوابط وقوانین کی پابندی کرنے سے احتراز کرے ان سے جہاد کرنا واجب ہے تا کہ دین تمام کا تمام صرف ایک اللہ کے لیے ہو جائے‘‘۔(انتہی کلامہ)۔

(ب) اپنی رضامندی اور خوشی سے ان کافر جماعتوں کو شرعی سمجھنے کا اعتراف کرنا یہ رضا بالکفر (یعنی کفر پر راضی ہونا) کو متضمن ہے اگرچہ اپنے منہ سے اس کا اظہار نہ کرے۔ اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿**وقد نزل علیکم فی الکتاب أن اذا سمعتم آیات اللّٰہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم ان اللّٰہ جامع المنافقین والکافرین فی جھنم جمیعا**﴾ ’’اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہیں جیسے ہو گئے۔ اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ‘‘۔[النساء: ۱۴۰]۔

جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اکثریت کے موقف کا اعتبار کیا جائے اور جس بات پر اکثریت جمع ہو جائے اس کو اختیار کیا جائے، اگرچہ اکثریت باطل، گمراہی، صریح کفر پر ہی کیوں نہ جمع ہوں۔ (پھر بھی اسی کو اختیار کیا جائے) پس جمہوریت کی نظر میں حق بات (جس پر کسی طرح کی گرفت کرنا، یا تنقید وتبصرہ کرنا جائز ہی نہیں) وہی ہے جس کو اکثریت طے کرے اور جس پر اکثریت جمع ہوں اس کے علاوہ نہیں۔

اور یہ بنیاد ہی باطل اور قطعی طور پر غلط ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اسلام کی نظر میں حق وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت کے موافق ہو۔ چاہے اس کے ماننے والے کم ہوں یا زیادہ۔ اور جو بات، جو قانون کتاب وسنت کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔ اگرچہ روئے زمین کے تمام انسان ہی

اس کے حق میں کیوں نہ ہوں۔ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿**وان تطع اکثر من فی الأرض یضلوک عن سبیل اللّٰہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون**﴾ ’’اور اگر تو کہنا مانے گا اکثر ان لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے، وہ سب تو چلتے ہیں اپنے خیال پر اور سب اٹکل ہی دوڑاتے ہیں‘‘۔[انعام: ۱۱۶]۔

پس یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روئے زمین پر اکثریت کی اتباع وپیروی کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ ہو جانا ہے۔ کیونکہ اکثریت تو گمراہی پر جمع ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے الا یہ کہ اس کے ساتھ دوسرے خداؤں کو شریک گردانتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عمر بن میمون رحمہ اللہ سے فرمایا: ’’لوگوں کی اکثریت نے ہی تو جماعت کو چھوڑا ہے اور جماعت (اہل السنۃ) تو وہی ہے جو حق کے موافق ہو اگرچہ اکیلا ایک شخص ہی (اس کی پیروی واتباع کرنے والے) ہو‘‘۔

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’تحقیق گزرے ہوئے لوگوں میں اہل سنت بہت قلیل تعداد میں تھے اور باقی رہ جانے والے لوگوں میں بھی وہ قلیل تعداد میں ہیں۔ اور وہ (اہلسنت) ایسے لوگ ہیں جو عیش پرست لوگوں کے ساتھ ان کے عیش وعشرت میں شریک نہ ہوں، اور نہ ہی بدعتی لوگوں کے ساتھ ان کی بدعات میں ساتھ دیں۔ اور انہوں نے سنتوں پر عمل کرنے پر صبر کیا یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جا ملے۔ پس تم بھی ان جیسے بن جاؤ۔

جس چیز پر نظریں اٹھتی ہیں اور جس چیز پر تعجب بڑھتا ہے وہ یہ ہے کہ جمہوریت کی آپس کی لڑائیوں نے اپنے برے اور نقصان دہ نتائج سے مسلمانوں کو اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ ان میں ضعف، اختلاف، تفرقہ، پھوٹ اور فرقہ بندی کو جنم دیا۔ اس طرح کہ ایک جماعت سے کئی جماعتیں ایک گروہ سے کئی گروہ میں بٹ گئے اور ایک تحریک سے کئی تحریکیں بن گئیں جو ساری آپس میں ایک دوسرے سے نفرت اور بغض رکھتی ہیں۔

دنیا میں اب بھی بہت اقوام جمہوریت کو خوشگوار محسوس کرتی ہیں اور اس کا دفاع کرتی ہیں۔ گویا کہ وہ جمہوریت کے مالک اور اس کے بنانے والے ہیں۔ ان کے دلوں میں جمہوریت کی محبت اس طرح پلائی گئی ہے جیسا اس سے پہلے بنو اسرائیل کے قلوب میں بچھڑے کی محبت پلائی گئی تھی۔ پس ان کو ان کی سماعت نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا کہ ان کو آیات قرآنیہ اور نصوص شرعیہ اس سے باز رکھتی، اور نہ ہی ان کی عقلوں اور بصارتوں نے ان کو کوئی فائدہ بہم پہنچایا کہ وہ جمہوریت کے نتیجے میں واقع ہونے والی تلخ حقیقت کا ادراک کر سکیں۔ اور بعض لوگ یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ وہ "مصلحت" اور جمہوریت کی راہ سے اقتدار اعلیٰ حاصل کرتے ہیں اور اس کو انہوں نے شرعی اور دینی مقاصد کے لیے راستہ بنایا ہوا ہے۔ لیکن انہوں نے اللہ کے دین میں ان وسائل کی مشروعیت اور ان کے احکام کی طرف توجہ نہیں دی۔ اور "مصلحت" اور "مقصد" کے نام پر مضبوط عقیدے اور صحیح نصاب سے سودا بازی اور تبادلہ کے سوراخ میں داخل ہو گئے ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور اُمیہ بن خلف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: "اے محمد (ﷺ) آؤ ہم بھی اسی کو پوجیں جس کو آپ پوجتے ہیں، اور آپ بھی اسی کو پوجیں جس کو ہم پوجتے ہیں اور ہم آپ کو اپنے تمام امور میں شریک کر لیں گے۔ پس جو چیز آپ لائے ہیں اگر وہ اس چیز سے بہتر ہوئی جس پر ہم ہیں تو ہم آپ کے شریک ہیں اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت سے اپنا حصہ وصل کر لیں گے۔ اور اگر آپ کی لائی ہوئی [illegible]ت کے مقابلے میں وہ چیز بہتر ہوئی جو ہمارے پاس ہے تو آپ ہمارے شریک ہیں اور اپنا [illegible]صول کر لیں گے"۔ تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی، ﴿قل یا أیها الکافرون﴾.

تحقیق اس واقعہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ قریش [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہ آپ [illegible]سلام اپنی دعوت سے دست بردار ہو جائیں تو وہ اپنی بات سے دستبردار ہو جائیں گے تاکہ

دونوں فریق ایک ہی نقطہ پر متحد و متفق ہو جائیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی موافقت کر لیتے تو اچھا ہوتا اور ان سے مطالبہ کر لیتے کہ وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کر دیں۔ کیونکہ مشرکین جب اسلام کو جان لیتے تو پھر ہرگز اس نہ پھرتے اور اس صورت میں اسلام کا بڑا فائدہ ہوتا اور اسلام کی مدد ہو جاتی۔ اور مسلمان آزمائش میں مبتلا تھے ان سے بھی نجات مل جاتی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قضیے کا فیصلہ صادر فرمایا: ﴿لا أعبد ما تعبدون ولا أنتم عابدون ما أعبد﴾ "میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو، اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں"۔ اور آخر میں فرمایا: ﴿لکم دینکم ولی دین﴾ "تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ"۔

پس یہ بنیادی قضیہ ہے جو کسی قسم کی سودے بازی کو قبول نہیں کرتا، اور نہ ہی چیونٹی کے قدم کے فاصلے کے برابر دست برداری کو قبول کرتا ہے۔ یہ عقائد کے مسائل میں سے ہے بلکہ یہ خود ہی ایک عقیدہ ہے۔ اس قضیے پر غور و فکر کیجئے۔ قرآن نے کیسے قطعی طور پر اس کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس میں وہ اسباق ہیں جس کے ہم اس زمانے میں سخت محتاج ہیں۔ بلکہ عصرِ حاضر اور مستقبل کے لیے ہمارے لیے وہ واضح روشن پروگرام ہے جس کے ذریعے ہم اعداءِ اسلام کا سامنا کر سکتے ہیں۔

پس اے مسلمان! اگر تم ان کافروں سے مصالحت بھی کرو تو وہ تم سے مصالحت نہیں کریں گے الا یہ کہ تم اپنے دین کو چھوڑ دو اور ان کے ناپاک جمہوری نظام کے ذریعے ان کی مدد کرنے اور اطاعت کرنے میں داخل ہو جاؤ۔ اور خصوصاً جبکہ وہ زیادہ وقوت میں ہیں اور معرکہ کے قوی جانب میں ہیں۔ اور اگر تمہیں یہ لالچ ہے کہ کفار بغیر ان کی اتباع کیے تم سے راضی ہو جائیں گے تو یہ آپ کا وہم ہے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ ازسرِ نو قرآن پاک پڑھیں۔ اور قریب

وبعید کی تاریخ کی مراجعت فرمائیں۔ تاکہ آپ عذر، بغض اور جرائم کے صفحات کا مطالعہ فرمائیں جوان کافروں نے اسلام اور مسلمانوں پر کیے اور ابھی تک کررہے ہیں۔

پس اے مسلمان! اگر تم ان کافروں سے مصالحت بھی کرو تو وہ تم سے مصالحت نہیں کریں گے الا یہ کہ تم اپنے دین کو چھوڑ دو اور ان کے ناپاک جمہوری نظام کے ذریعے ان کی مدد کرنے اور اطاعت کرنے میں داخل ہو جاؤ۔ اور خصوصاً جبکہ وہ زیادہ وقوت میں ہیں اور معرکہ کے قوی جانب میں ہیں۔ اور اگر تمہیں یہ لالچ ہے کہ کفار بغیر ان کی اتباع کیے تم سے راضی ہو جائیں گے تو یہ آپ کا وہم ہے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ از سرِ نو قرآن پاک پڑھیں۔ اور قریب وبعید کی تاریخ کی مراجعت فرمائیں۔ تاکہ آپ عذر، بغض اور جرائم کے صفحات کا مطالعہ فرمائیں جوان کافروں نے اسلام اور مسلمانوں پر کیے اور ابھی تک کررہے ہیں، انتہی۔

دین اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن عظیم کی توہین بھی بالاجماع ارتداد اور کفر کا سبب ہے، آئندہ سطور میں اس کی تفصیل مع الادلہ ملحوظ ہو، یہ مضمون ''شیخ انور العولقی شہید'' رحمہ اللہ کے خطبہ سے مأخوذ ہے جس کا ترجمہ ''ام ہمام'' صاحبہ نے کیا ہے، اور اس کا نام رکھا ہے ''یہ غبار نہ چھٹنے پائے گا''۔

کفار حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کے لئے جواز پیش کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو بنانا ہوتا مکہ یا مدینہ کے کسی بڑے رئیس یا سردار کو کیوں نہ بناتا، تاکہ لوگ اس بات کی توجہ سے سنتے اور اس کے اثر ورسوخ اور معاشرے میں ان کے مقام کی وجہ سے جلد اس کے مطیع ہو جاتے، ان کی اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کچھ یوں ذکر کیا ہے:

﴿وقالو لولا نزل هذا القرآن علىٰ رجل من القريتين عظيم﴾

''اور کہتے ہیں کہ کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر ان دو بستیوں میں سے''۔

(زخرف:۳۱)

یہ کفار کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

﴿الله أعلم حيث يجعل رسالته﴾

''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کہاں بھیجے اپنی''۔ (الانعام:۱۲۴)۔

کفار کی طرف سے بتائے گئے رسالت کے مجوزہ امیدواروں میں سے ایک عروہ بن مسعود ثقفی تھے۔ جن کا تعلق طائف سے تھا۔ برسوں بعد ایک مہم میں کفار مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بطور ایلچی محمد ﷺ سے ملاقات کے لئے بھیجا تاکہ وہ ان سے معاہدے کے لئے مذاکرات کریں جو بعد میں معاہدۂ حدیبیہ کے نام سے معروف ہوا۔ (گو کہ وہ معاہدے کی شرائط طے کرنے میں ناکام رہے تھے اور معاہدہ بعد ازاں ایک اور ایلچی سہیل بن عمرو کے ساتھ طے کیا گیا) کفار کے نمائندے کی حیثیت سے جب عروہ بن مسعود حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کے پڑاؤ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے آئے تو انہیں محسوس ہوا کہ گویا وہ کسی دوسری دنیا میں قدم رکھ رہے تھے۔

صحابہ کی وارفتگی کا عالم

عروہ بن مسعود ثقفی جب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے آئے تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے ایسے مناظر دیکھے جنہوں نے انہیں حیران وششدر کر کے رکھ دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے تو صحابہ کرامؓ آگے بڑھ کر وضو کا پانی جو آپ ﷺ کے جسم اطہر سے ٹپکتا تھا، اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہرے میں مل لیتے تاکہ رسول اللہ ﷺ سے برکت حاصل کی جا سکے اور جب آپ ﷺ کا کوئی بال جسم اطہر سے گرتا تو بھی اس کو حاصل کرنے کا لپکتے۔ رسول اللہ ﷺ جب ان کو کوئی حکم دیتے تو وہ سرعت کے ساتھ اس کی تکمیل میں لگ جاتے۔

جب عروہ بن مسعود ثقفی رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کر رہے تھے تو وہاں ایک زرہ پوش

جوان بھی کھڑا تھا جب کبھی عروہ نبی ﷺ کی داڑھی مبارک کو تھامنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتے تو یہ جوان جو حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا تھا، عروہ بن مسعود ثقفی کو اپنی تلوار کے دستے سے ضرب لگاتا اور کہتا تھا۔ اپنے ہاتھ دور کھینچ لو اس سے پہلے کہ یہ تمہارے پاس واپس نہ لوٹ سکیں۔'' اس پر عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا۔''میرے خیال میں یہ شخص آپ لوگوں میں بڑا سخت اور درشت ہے۔ آخر کون ہے یہ؟'' نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ''یہ تمہارا بھتیجا ہے۔۔۔۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفی ؓ۔۔۔'' یہ عروہ بن مسعود کے بھتیجے تھے لیکن اب چونکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور نبی ﷺ سے محبت اور ان کی جانثاری کا جذبہ اس قدر تھا کہ انہوں نے اپنے چچا کو حضور اکرم ﷺ کی داڑھی چھونے کی بھی اجازت نہ دی۔ عروہ بن مسعود ثقفی کو اس بات سے لازمی طور پر صدمہ پہنچا۔

ذرا اپنے آپ کو اس معاشرے میں لے جایئے، خود کو ان کی جگہ تصور کیجئے اور سوچئے جیسے وہ سوچا کرتے تھے اور ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے جو ان لوگوں کے گرد تھے یہ ایک قبائلی معاشرہ تھا جہاں قبیلہ اور خاندانی رشتے ہی سب کچھ تھے اور عروہ بن مسعود ثقفی یہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ اسلام نے کس طرح ان کے بھتیجے کی کایا پلٹ دی اور وہ کیسے ان کے ساتھ پیش آرہا تھا۔۔۔!

عروہ بن مسعود ثقفی جب قریش کی طرف واپس لوٹے تو ان کو بتایا۔'' اے قریش کے لوگو! میں نے دنیا کے بادشاہوں کی زیارت کی ہے، میں نے قیصر و کسریٰ سے ملاقاتیں کی ہیں اور میں نے کبھی کسی بادشاہ کے تابع فرمانوں کو اپنے لیڈر کے لئے اتنا فدا کار نہیں پایا جتنا صحابہ کرامؓ کو محمد ﷺ کے لئے جاں نثار کرنے کے جذبوں سے معمور پایا ہے اور میں نے کبھی کسی بادشاہ کے اطاعت گزاروں میں ایسی اطاعت نہیں دیکھی جیسی صحابہؓ کی اللہ کے رسول ﷺ کے لئے دیکھی۔ جب بھی وہ ان کو کوئی حکم دیتے تو وہ دوڑ کر اس کی تعمیل کرتے تھے اور جب بھی حضور اکرم ﷺ صحابہ سے مخاطب ہوتے تو وہ یوں خاموش ہو جاتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے

ہوں جو ان کے بولنے سے اڑ جائیں گے۔ جب رسول ﷺ وضو کرتے تو آپ ﷺ کے صحابہ دوڑ کر جسم اطہر سے گرنے والے پانی کو حاصل کرتے اور اگر آپ ﷺ کا کوئی بال گرتا تو سبھی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔۔۔ پس اے قریش کے لوگوں! محمد ﷺ نے تم لوگوں کو ایک پیشکش کی ہے اس کو قبول کر لو، کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ ان کے جانثار کبھی ان کا ساتھ چھوڑیں گے۔۔۔۔۔!!''

یہ وہ تاثر تھا جو کفار اہل ایمان کے بارے میں رکھتے تھے کہ وہ کبھی نبی ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور کبھی ان کو دغا نہیں دیں گے اور نہ تنہا چھوڑیں گے بلکہ آخری آدمی تک نبی ﷺ کی حفاظت کے لئے جنگ کریں گے۔۔۔ مگر اب وقت تبدیل ہو چکا ہے! وہ رسول ﷺ کا وقت تھا اور عروہ بن مسعود کی گواہی تھی۔۔۔ جبکہ آج حالات یکسر مختلف ہیں۔

کچھ عرصہ قبل اللہ کی کتاب کو کچھ امریکی فوجیوں نے بطور مشق ہدف کے طور پر استعمال کیا اور یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ ایک مسلمان ملک میں جو اسلامی دنیا کے قلوب میں واقع ہے۔۔۔ پھر کیا ہوا؟؟؟ اسلامی دنیا کی طرف سے ردعمل خاموشی تھی۔۔۔!!

اس سے پہلے جب ڈنمارک میں کارٹونوں کی اشاعت کا قضیہ وقوع پذیر ہوا تو مسلم دنیا سخت غضب ناک ہوئی لیکن پھر جب سویڈن میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا جو کہیں زیادہ بدتر تھا، رد عمل مقابلتاً کم تھا اور اب بتدریج ردعمل کم ہو رہا ہے۔ سو ہمارے دشمنوں نے ہمیں کامیابی کے ساتھ بے حس کر دیا ہے۔۔

جب یہ واقعہ پہلی دفعہ پیش آیا تو ہر کوئی اس کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کی مذمت کر رہا تھا اور اس معاملے پر متاسف تھا مگر پھر آہستہ آہستہ ہم اس کے عادی ہی ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ کفار گستاخی کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں۔۔۔ مگر ردعمل کیا ہے؟ بہت تھوڑا۔۔۔!!

آیئے ذرا ایک نظر اپنے درخشندہ ماضی پر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تب گستاخان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا؟ کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو ہمارے قلوب واذہان کو منور کرنے کا سبب بنے گی، اور بالآخر ہمارے اندر یہ احساس بیدار ہوگا کہ گستاخان رسول کا انجام وہی ہونا چاہیے جو صحابہؓ نے کیا اور بے شک اس معاملے میں بھی ہمیں صحابہ کرامؓ ہی کی اتباع کرنی چاہیے۔

گستاخ کعب بن اشرف کا انجام

کعب بن اشرف ایک یہودی لیڈر اور بہت ہی فصیح شاعر تھا۔ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خبر مدینہ پہنچائی گئی اور یہ خبر کعب بن اشرف کے کانوں تک پہنچی تو وہ بے اختیار بول پڑا:

''اگر یہ خبر سچی ہے تو ہمارے لئے زمین کے اوپر والے حصے میں ہونے کے بجائے نیچے والے حصے میں ہونا بہتر ہے (یعنی ہمارے لئے مرنا بہتر ہے)۔ قریش کی شکست کے بعد زندہ رہنے میں کیا خیر باقی ہے۔۔۔۔۔۔''

پھر اس نے شعر کہنے شروع کیے جس میں وہ مشرکین کے نقصان پر مرثیے کہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس نے تو مسلمان خواتین کو بھی نہ چھوڑا اور ان کے خلاف بھی شعر کہنے لگا اور اپنی ان حرکتوں پر داد وصول کرنے اور مشرکین مکہ کو اپنی امداد اور تعاون کا یقین دلانے کی خاطر وہ گاہے بگاہے مکہ بھی جاتا۔ جب اس کی یہ حرکتیں حد سے بڑھنے لگیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے''۔

قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کردوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''۔ پس محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کرلیا کہ وہ گستاخ رسول کعب بن اشرف کو قتل کر کے رہیں گے۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے واپس گھر لوٹے اور اس معاملے پر غور وخوض شروع کیا تو انہیں احساس ہوا کہ یہ کام آسان نہیں، کیونکہ کعب بن اشرف ایک قلعے کے اندر یہودی بستی میں رہ رہا تھا۔ ان حالات میں اس کو قتل کرنا یقیناً ایک مشکل کام تھا۔ جاں نثار رسول محمد بن مسلمہ سخت متفکر ہو گئے، اس لئے نہیں کہ اس کام میں ان کی جان کو شدید خطرہ تھا کیونکہ وہ تو ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنا سب کچھ محض اللہ کی رضا کے حصول کے لئے نچھاور کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ انہیں اپنی جان کی تو کچھ فکر نہ تھی بلکہ فکر تھی تو اس بات کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا نہ کر سکیں۔ وعدہ پورا کیے بغیر مرنا بھی ان کو گوارا نہ تھا۔ ان کی اس فکر نے ان کو کھانے پینے سے بھی روک دیا۔ تین دن تک لگاتار صبح وشام آپ اپنے وعدے کی تکمیل کے بارے میں سوچتے رہے، جسم وجان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے آپ بمشکل تھوڑا بہت کھانا کھاتے اور ہر وقت اس فکر میں رہتے کہ کس طرح گستاخ رسول کو ٹھکانے لگایا جائے۔

اس بات کی خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کا بلایا اور فرمایا: ''اے محمد بن مسلمہ! تمہارے ساتھ کیا مسئلہ پیش آیا ہے؟ کیا یہ بات صحیح ہے کہ تم نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے؟'' محمد بن مسلمہ نے جواب دیا: ''ہاں! یارسول اللہ۔'' رسول اللہ ﷺ نے وجہ پوچھی تو جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک وعدہ کیا ہے اور سوچتا ہوں کہ کیا میں کامیابی کے ساتھ اس کو پورا کرسکوں گا؟'' اس پر نبی ﷺ نے جواب دیا: ''تم پر اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق بھرپور کوشش کا نا لازم ہے اور اس کوشش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے یہ تم اللہ پر چھوڑ دو''۔

ذرا لمحہ بھر کو یہاں توقف کریں اور غور کریں کہ کیسا جاں نثارانہ جوش اور جذبہ تھا صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس۔۔۔۔۔۔کیسی شدید محبت تھی ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کہ فکر تھی تو اپنی جان کی نہیں بلکہ اس بات کی کہ وعدہ کیسے پورا کیا جائے۔۔۔۔اور وہ (محمد بن مسلمہ) اس بات پر متفکر تھے کہ کھانا پینا چھوٹ گیا اور وہ اس قابل نہ رہے کہ معمولات زندگی کو معمول کے مطابق چلائیں کیونکہ ان کے لئے توہین رسالت بہت سنجیدہ معاملہ تھا۔۔۔۔وہ تو ان لوگوں میں سے تھے جو یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کی نبی ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھے اور وہ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے رہیں اور آج۔۔۔۔نبی ﷺ کی ناموس کو کس طرح یکے بعد دیگرے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔۔۔۔توہین رسالت کا وہ کون سا طریقہ ہے جو ملعون کفار نے چھوڑا۔۔ذرا دل پر ہاتھ رکھ کے بتائیں کہ کیا آپ کا دل تڑپ رہا ہے؟ ذرا بتائیں آپ کتنے متفکر ہیں؟ ہم کتنے متفکر ہیں ناموس رسالت کی حفاظت اور گستاخان رسول کو انجام بد تک پہنچانے کیلئے؟ ذرا موازنہ تو کریں اپنی فکر اور تڑپ کا صحابہؓ اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو اس معاملے میں فکر اور تڑپ سے تو جب رسول ﷺ کے بلند بانگ دعووں کی قلعی کھل جاتی ہے !!۔۔اگر کوئی گستاخان رسول کو انجام بد تک پہنچانے میں سنجیدہ ہے تو اسے اصحاب رسول ﷺ کا طریقہ کار اپنانا پڑے گا۔ان جیسا جذبہ اور تڑپ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

غرض یہ کہ جب محمد بن مسلمہؓ نے حضور ﷺ سے تسلی کے کچھ کلمات سنیں تو آپ کو کچھ اطمینان نصیب ہوا۔بعد ازاں محمد بن مسلمہ نے حضور ﷺ کو اپنے منصوبے کے حوالے سے بتایا کی کعب بن اشرف کا قرب حاصل کرنے کے لئے انہیں مسلمانوں اور حضور ﷺ سے بیزاری کا اظہار کرنا پڑے گا، اور ان کے خلاف بولنا پڑے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہتے ہو کہو۔'' (یعنی لڑائی کے حربے کے طور پر تم مسلمانوں کے خلاف بات کرو تو تم سے مواخذہ نہ ہوگا)۔اس طرح حضور ﷺ سے اجازت لے کر محمد بن مسلمہؓ اور قبیلہ اوس کے انصار کا ایک چھوٹا سا گروہ کعب بن اشرف سے ملاقات کو گیا تا کہ اس کا اعتماد حاصل کر سکیں اور اسے اپنے جال میں

پھانس سکیں۔محمد بن مسلمہ کے ساتھیوں میں ایک ابو نائلہ بھی تھے جو کہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔جب گفتگو کا آغاز ہوا تو انہوں نے کعب کو بتلایا: ''یہ شخص (محمد ﷺ) ہمارے لئے ایک آفت اور آزمائش بن گیا ہے اور مدینہ میں اس کی موجودگی ہمارے لئے ایک مسئلہ بن گئی ہے (معاذ اللہ) اور محض ان کی وجہ سے تمام عرب اہل مدینہ سے جنگ پر اتر آئے ہیں اور ان کو اپنا دشمن گردانتے ہیں۔

کعب نے کہا: ''میں نے تو پہلے ہی تم لوگوں کو بتایا تھا اور ابھی تو تم مزید برے وقت کا مشاہدہ کرو گے۔'' محمد بن مسلمہ نے کہا: ''خیر ہم انتظار کرنا چاہتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ کیسے اختتام پذیر ہوگا۔اے کعب اس شخص کی وجہ سے ہماری معاشی حالت بگڑ گئی ہے ہم تم سے کچھ ادھار لینا چاہتے ہیں اور ضمانت کے طور پر ہمیں کیا چیز تمہارے حوالے کرنا ہوگی؟ کعب نے کہا: ''اپنے بچے میرے پاس چھوڑ جاؤ۔'' یہ سن کر محمد بن مسلمہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ''ہم اپنے بچے تمہارے پاس چھوڑ جائیں اور پھر زندگی بھر لوگ ان کو بتایا کریں گے کہ تمہارے والدین نے تھوڑے سے پیسوں کے لئے تمہیں گروی رکھوا دیا تھا اور یہ بات ساری زندگی ان کے لئے عار ہوگی''۔اب کعب نے کہا: ''پھر اپنی خواتین کو میرے پاس بطور ضمانت چھوڑ جاؤ۔'' محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا: ''ہم اپنی خواتین تمہارے پاس کیسے چھوڑ جائیں جب کہ تم حسین مرد ہو، ہاں مگر ہم اپنے ہتھیار لا کر تمہارے پاس گروی رکھوا سکتے ہیں۔'' کعب نے یہ بات منظورت کر لی اور ہتھیار گروی رکھوا کر ادھار لینے کے لئے اگلی ملاقات کا دن طے پا گیا۔اس طرح محمد بن مسلمہ نے ہتھیار بند ہو کر کعب بن اشرف کے ہاں آنے کی راہ ہموار کر لی۔

مقررہ رنز رات گئے محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھی وہاں پہنچے اور اسے پکارا۔کعب کی بیوی نے کہا کہ: ''میں اس پکار میں خون کی بو سونگھ سکتی ہوں''۔کعب نے کہا: فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں یہ محمد بن مسلمہ ہے میرا دوست اور میرا بھائی ابو نائلہ ہے۔(اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

ان کے درمیان زمانہ جاہلیت میں دوستانہ تعلقات تھے) سو وہ قلعہ سے نیچے اتر گیا۔ اس سے پہلے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ طے کر چکے تھے کہ جب تم لوگ مجھے اس کا سر تھامے ہوئے دیکھو تو اس پر جھپٹ پڑو اور اپنی تلوار سے اس کے ٹکڑے کر ڈالو۔ پس جب کعب بن اشرف نیچے اترا تو انہوں نے اس سے کہا: ''کیا خیال ہے کیوں نہ شعب العجوز چل کر وہاں گپ شپ میں رات گزاریں؟'' کعب نے اس رائے کا خیر مقدم کیا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ اس طرح جانثاران رسول ﷺ اس قابل ہوئے کہ کعب کو اس کی محفوظ پناہ گاہ اور اس کے ہم مذہب لوگوں کے درمیان سے نکال کر وہاں سے دور شعب العجوز لے جائیں۔ کعب نے اپنے سر میں مشک یا کوئی اور خوشبو لگا رکھی تھی۔ پس جب وہ ادھر پہونچے تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: ''اخاہ! یہ خوشبو جو تمہارے سر سے اٹھ رہی ہے کتنی پیاری ہے۔ کیا میں اسے سونگھ سکتا ہوں؟ کعب نے کہا'' ہاں سونگھ لو'' سو محمد بن مسلمہ نے اس کا سر تھاما، اپنی طرف کھینچا اور سونگھا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے کہا: ''یہ خوشبو تو بڑی شاندار ہے۔ کیا میں اسے دوبارہ سونگھ سکتا ہوں؟ اس نے پھر اجازت دے دی تو محمد بن مسلمہ نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ان کے ساتھیوں نے اس ملعون پر حملہ کر دیا۔ اسی اثناء میں اس نے مدد کے لئے چلانا شروع کر دیا۔ آس پاس کے قلعوں کی روشنیاں جل اٹھیں مگر اس سے پہلے کہ کوئی کعب بن اشرف کی مدد کے لئے نکلتا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنا چاقو نکال کر کعب کے پیٹ میں گھونپ دیا یہاں تک کہ چاقو کا پھل اس کی ریڑھ کی ہڈی تک اتر گیا اس طرح اس کی موت کو یقینی بنا کر یہ گروہ انصار وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس طرح محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے ان ساتھیوں نے ایک ایسے شخص کو اپنے منطقی انجام تک پہونچا کر دم لیا جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی۔

کعب کے قتل کے نتائج

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اس قصہ کا تذکرہ اپنی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم

الرسول'' (شاتم رسول پر سونتی ہوئی تلوار) میں کیا ہے اور انہوں نے چند چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کو ہم یہاں دہرائیں گے۔

سب سے پہلے وہ سیرت کے علماء میں سے ایک عالم واقدی کا بیان پیش کرتے ہیں:

واقدی اس واقعہ کے نتائج پر بحث کرتے ہیں کیونکہ اپنے نتائج کے اعتبار سے یہ ایک بڑا اہم واقعہ تھا اس نے مدینہ میں رہنے والے مشرکین اور یہودیوں میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ واقدی لکھتے ہیں کہ یہودی مشرکین کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور شکایت کی کہ گزشتہ رات ان کے ایک معزز آدمی کو دھوکہ سے قتل کر دیا گیا۔ (انہوں نے قتل کے لیے غلہ کا لفظ استعمال کیا جس کا مطلب ہے کسی کو چپکے سے بے خبری میں قتل کر دینا) انہوں نے کہا کہ اس کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا گیا۔

کعب بن اشرف کو کیوں قتل کیا گیا؟ یہ تھا وہ سوال جسے لے کر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک امن معاہدہ موجود تھا معاہدے کے ہوتے ہوئے کعب کو کیوں قتل کیا گیا؟ آخر یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ کیا مسلمان اس معاہدے کو سبوتاژ کرنا چاہتے تھے؟ یہ تھے وہ سوالات جن کے جوابات یہود جاننا چاہتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے سوالات کے جوابات میں فرمایا: ''اگر وہ پرسکون رہتا ان لوگوں کی طرح جو اس کے ہم خیال ہیں اور اس جیسی رائے رکھتے ہیں تو وہ قتل نہ کیا جاتا۔ مگر اس نے ہمیں نقصان پہونچایا اور اپنی شاعری سے ہماری ہجو کی ہے۔ اگر تم میں سے کوئی اور بھی یہ کام کرے گا تو ہم اس کے ساتھ تلوار ہی سے نمٹیں گے''۔

ذرا حضور ﷺ کے جواب پر غور کیجئے: رسول اللہ ﷺ کہہ رہے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو مسلمانوں اور رسول ﷺ کے لیے کعب بن اشرف جیسا بغض وعناد رکھتے ہیں، سو وہ اپنے کفر کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا تھا نہ ہی وہ اس وجہ سے قتل کیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ

سے نفرت کرتا تھا یا مسلمانوں سے بغض وعناد رکھتا تھا۔نہیں! یہ مرض تو بہت سے لوگوں کے دلوں میں موجود تھا جن سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ پس اگر وہ پرسکون رہتا جیسے کہ اس جیسے باقی لوگ رہے تو اس کو بھی قتل نہ کیا جاتا۔مگر کیونکہ اس نے زبان درازی کی اور نبی ﷺ کی ہجو بیان کی تو اس کی گردن ماردی گئی۔اور پھر آپ ﷺ نے یہودیوں پر واضح کردیا کہ اگر یہود یا مشرکین میں سے کسی نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور اپنے دل میں چھپے ہوئے بغض وعناد کو ظاہر کردیا تو ایسا کرنے والے سے اسی طرح نمٹا جائے گا جیسے کعب بن اشرف سے نمٹا گیا تھا۔

آپ ﷺ کے الفاظ کا مفہوم تھا:''ہمارے اور تمہارے درمیان پھر تلوار کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا، کوئی مذاکرات نہ ہونگے اور نہ ہی کوئی معافی ہوگی۔ مفاہمت کی کوئی کوشش نہ کی جائے گی اور ہمارے اور تمہارے درمیان صرف تلوار ہوگی۔۔۔۔۔'' اور یہ بات آپ ﷺ نے ان پر روز روشن کی طرح واضح کردی تھی۔پھر آپ ﷺ نے کفار کو بلایا اور ایک دستاویز پر دستخط کیے جس میں ان سب نے یہ عہد کیا کہ وہ حضور ﷺ کے خلاف نہیں بولیں گے اور اگر کوئی بولے گا تو اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہونچانا ایک حجت ہے مسلمانوں کو ترغیب دلانے کے لئے کہ وہ قتل کریں ہر اس شخص کو جس نے یہ فعل کیا، چاہے ان کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے ہی کیوں نہ ہوں، حتی کہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہوں۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں اس حکم کے خلاف اٹھنے والے اعتراضات اور شکوک کا بھی جواب دیا ہے۔انہوں نے اس قصے کو دلیل کے طور پر اعتراضات کا رد کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔کچھ لوگوں نے کوشش کی ہے کہ اس حدیث کے مطلب کو موڑیں اور کہیں کہ کعب کو اس لئے قتل کیا گیا کیونکہ وہ کفار کو محمد ﷺ کے خلاف لڑنے پر ابھار رہا تھا اور اسے اس کے

گستاخانہ الفاظ کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا۔ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:''نہیں! وہ اپنی گستاخانہ شاعری کی بدولت قتل کیا گیا جو کہ اس کے سفر مکہ پر روانہ ہونے سے پہلے بھی موجود تھی۔سو اس کا تعلق ہرگز مکہ جانے اور وہاں ان کو مسلمانوں کے خلاف لڑائی پر ابھارنے سے نہیں بلکہ اس کے قتل کا براہ راست تعلق اس کی گستاخانہ شاعری سے ہی تھا''۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:''ابن اشرف نے جو بھی کیا وہ زبان سے تکلیف پہونچانے کی صورت میں تھا۔کفار کے مرنے پر مرثیہ نگاری اور ان کو لڑائی پر ابھارنا، مسلمانوں کو گالیاں دینا اور نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا، دین اسلام کو نیچا دکھانا اور مشرکین کے دین کو ترجیح دینا، یہ سب کچھ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ تھے۔اس نے جسمانی طور پر مسلمانوں کے خلاف کوئی لڑائی شروع نہیں کردی تھی۔جو کچھ اس نے کہا وہ یہ تھا کہ اس نے اہل ایمان کو اپنی زبان سے تکلیف پہونچائی اور یہ ایک حجت ہے ہر اس شخص کے خلاف جو ان معاملات میں بحث ومباحثہ کرتا ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہر اس شخص کا خون جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتا ہے شاعری اور گستاخی کے ذریعے سے، کسی بھی صورت میں محفوظ نہیں ہے۔''

یہ تھا کعب بن اشرف کا قصہ جسے قبیلہ اوس کے چند جانبازوں نے جہنم واصل کردیا تھا۔

ابورافع کا قتل

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بیٹے کہتے ہیں:''اوس اور خزرج رسول اللہ ﷺ کے حضور آپس میں دو گھوڑوں کی طرح مقابلہ کیا کرتے تھے۔جب کبھی ان میں سے کوئی ایک قبیلہ کوئی ایسا کام کرتا جس سے رسول اللہ ﷺ خوش ہوتے تو دوسرا اس پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

سو اب اہل خزرج جمع ہوئے اور انہوں نے باہم کہا کہ:''اوس کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں میں سے ایک کو قتل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، ہمیں بھی اب کچھ ایسا ہی کرنا

پڑے گا تاکہ ہم سے بھی نبی ﷺ خوش ہوں۔ پس کعب بن اشرف کے بعد کون نبی ﷺ کا بدتر دشمن ہے؟ اس بات پر غور خوض کے بعد وہ اس نتیجے پر پہونچے کہ وہ بدترین دشمن ابو رافع ہے۔ انہوں نے اپنا منصوبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ وہ ابو رافع کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرنا چاہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کا منصوبہ منظور کرلیا اور آگے بڑھ کر یہ کام انجام دینے کو کہا۔

پس خزرج کے کچھ لوگوں نے مل کر منصوبہ بندی کی اور پھر وہ ابو رافع کے قتل کے لیے نکل کھڑے ہوئے، رات کے اندھیرے میں عبداللہ بن عتیقؓ دھوکے سے قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے اور ابو رافع کے کمرے کی چابی حاصل کرلی۔ پھر وہ ابو رافع کے کمرے میں داخل ہوگئے مگر ابو رافع کو دیکھ نہ پائے، کیونکہ کمرے میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یہ جاننے کے لیے کہ گستاخ رسول ابو رافع کمرے میں کس سمت میں موجود ہے، انہوں نے ابو رافع کو پکارا۔

ذرا تصور تو کریں کہ آپ ایک شخص کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے اور نصف شب کے وقت اس کے کمرے میں گھس کر اسے پکار رہے ہیں۔۔۔۔! جبکہ آپ کو معلوم بھی نہیں کہ وہ کس طرف ہے؟ کس قدر خطرناک اقدام ہے یہ! یقیناً حضرت عبداللہ بن عتیقؓ بھی اس بات سے واقف تھے، لیکن ان کے نزدیک نبی ﷺ کی حرمت ان کی جان سے زیادہ قیمتی تھی۔ وہ اپنی جان سے کہیں زیادہ اپنے مقصد کو محبوب رکھتے تھے، کیونکہ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ اصل اور دائمی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور سب سے قیمتی تو بس اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ پس وہ اپنی جان کو حقیقی مالک کی طرف لوٹانے سے بھلا کیوں گھبراتے۔۔۔۔!

وہ سیدھا آگے بڑھے اور پکارا: ''ابو رافع تم کدھر ہو؟'' عبداللہ بن عتیقؓ کہتے ہیں کہ جب ملعون ابو رافع نے جواب دیا تو میں نے آواز کی سمت میں وار کیا جو اس کو لگا مگر اس ایک

ضرب سے وہ مرا نہیں اور مدد کے لیے پکارنے لگا۔ اب عبداللہ بن عتیقؓ جن کی قوت فیصلہ یقیناً قابل تعریف تھی، انہوں نے فوراً پینترا بدلا، پھر واپس آئے اور آواز بدل کر ایسے بولے جیسے کوئی مددگار ہو اور کہا: ''اے ابو رافع کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟'' جواباً ابو رافع نے کہا: ''افسوس ہے تمہاری ماں پر یہاں پر کوئی ہے جو مجھے قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہے'' عبداللہ بن عتیقؓ کہتے ہیں: ''میں نے پھر آواز کی سمت کا اندازہ کر کے وار کیا لیکن اس بار بھی وار زیادہ کارگر ثابت نہ ہوسکا اور وہ پھر مدد کے لیے چلایا'' اب کی بار عبداللہ بن عتیقؓ نے پھر اپنی جگہ تبدیل کی اور آواز بدل کر بولے اور پھر ابو رافع کے پاس آئے۔ اس دفعہ ابو رافع پہلے ہی پشت کے بل گرا ہوا تھا کیونکہ اس سے پہلے وہ دو ضربیں کھا چکا تھا۔ عبداللہ بن عتیقؓ کہتے ہیں: ''میں نے اس کے پیٹ میں اپنی تلوار گھونپ دی اور اسے اندر کی طرف دباتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ میں نے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز سن لی'' ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کا مطلب یہ تھا کہ تلوار اس کے پیٹ کے پار ہوگئی اور اس کی زندگی اختتام پذیر ہوگئی۔

دیکھئے! صحابہ کرامؓ کیسے اپنا کام پورا کرنا چاہتے تھے! انہوں نے اپنی ٹانگ تڑوالی اور دشمن خدا کی ریڑھ کی ہڈی توڑ ڈالی، لیکن پھر بھی وہ پیچھے رہ کر انتظار کرنا چاہتے تھے۔۔۔۔!

فجر کے وقت یہ خبر پھیل گئی کہ ابو رافع، حجاز کا مشہور تاجر قتل کیا جاچکا ہے۔ عبداللہ بن عتیقؓ نے کیا کہا؟ یہ کہ ہم اس دہشت گردی کی مزمت کرتے ہیں؟ اس شخص کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے تھا، یہ ایک غیر اسلامی کام ہے وغیرہ وغیرہ؟ نہیں! بلکہ انہوں نے کہا: ''جب میں نے ابو رافع کے قتل کی خبر سنی، جب میں نے وہ اعلان سنا، میں قسم کھاتا ہوں کہ ان الفاظ سے زیادہ میرے کانوں کے لیے کوئی شیریں الفاظ نہ تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ان الفاظ سے زیادہ میٹھے الفاظ نہیں سنے۔'' یہ ہے ان کا قول! اس طرح وہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ پھر وہ جلدی سے مدینہ کی طرف گئے اور جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا:

"أفلح الوجوه" تمہارا چہرہ کامیاب ہو۔

انہوں نے جواباً رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ کا چہرہ کامیاب ہو، اے اللہ کے رسول (ﷺ) وہ خوش تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی خوش تھے۔

ابن خطل کا قتل

تیسری مثال فتح مکہ کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ یہ مقدس شہر بغیر کسی خون خرابے کے فتح ہو اور ان کا لشکر امن کے پروانے کے ساتھ شہر میں داخل ہو۔ وہ عاجزی کے ساتھ، اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور اس کا شکر کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ نہ کوئی جشن ہوا نہ گانے بجائے گئے، نہ کوئی قتل و غارت گری ہوئی، چہار جانب امن ہی امن تھا، اور یہ اعلان عام کر دیا تھا کہ: "اذهبوا فانتم طلقاء" جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ہاں البتہ ایک فہرست ان لوگوں کے ناموں پر مشتمل تھی، جن کے بارے میں فرمایا کہ: "اگر چہ انہیں کعبہ کے غلاف سے لپٹا ہوا پاؤ تب بھی انہیں قتل کر دو" پوری دنیا میں سب سے زیادہ قابل احترام جگہ مکہ کو سمجھا جاتا تھا اور وہاں بھی خانہ کعبہ سب سے زیادہ محترم جگہ تھی، اگر کوئی حرم میں ہوتا تو چاہے وہ جانی دشمن ہی کیوں نہ ہو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں بھی مشرکین کا یہی دستور تھا۔ لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: "فاقتلوهم وان كانوا معلقين على استار الكعبة" ان کو قتل کر دو چاہے وہ خانہ کعبہ کے غلاف سے لپٹے ہوئے ہوں۔

یہ لوگ کون تھے جن کے بارے میں اتنے سخت احکامات دیئے گئے؟

اس فہرست میں چند نام تھے اور انہی میں عبداللہ بن خطل، اس کی دو گانے والی لونڈیوں اور ابولہب کی لونڈی سارہ کا نام شامل تھا۔ عبداللہ بن خطل کی یہ لونڈیاں رسول اللہ ﷺ کے خلاف اشعار پڑھا کرتی تھیں اور مکہ میں آپ ﷺ کے خلاف گانے کی محفلیں سجایا کرتی تھیں۔

سب سے پہلے عبداللہ بن خطل کا ذکر کرتے ہیں، وہ کعبہ کے غلاف کو تھامے کھڑا تھا

کہ ایک صحابیؓ نے اس پر حملہ کر کے اسے اپنے انجام تک پہنچا دیا۔

اب ان خواتین کے دلچسپ ماجرے کو دیکھتے ہیں۔ پہلی بات میرے عزیز بھائیوں اور بہنوں! آپ سب جانتے ہی ہیں کہ عورتوں کو مارنا جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے لیکن ان دونوں کا نام خصوصی طور پر لیا کہ ان کو قتل کر دو!

دوسری بات ہم جانتے ہیں کہ اگر خواتین مسلمانوں کے خلاف کسی فوج میں شامل ہوں تو انہیں قتل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ عورتیں لڑ نہیں رہی تھیں، نہ ہی انہوں نے کسی جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا تھا۔ بلکہ انہوں نے تو مکمل طور پر ہتھیار ڈالے ہوئے تھے۔

تیسری بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے تمام لوگوں کو امن اور تحفظ دیا لیکن ان کو مستثنیٰ رکھا۔ اس پر مزید یہ کہ یہ تینوں آزاد عورتیں بھی نہیں تھیں۔ اور اسلامی حدود اور قوانین میں آزادی بہت اہم کردار ادا کرتی ہے اور غلاموں کی سزا ہلکی ہوتی ہے۔ یہ آپ ﷺ کے خلاف اشعار کہنے میں آزاد نہیں تھیں، ان کے مالک عبداللہ بن خطل اور ابولہب ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس کے باوجود بھی ان لوگوں کے لیے سب سے مختلف حکم دیا گیا کہ ان کو ہر حال میں قتل کیا جائے۔

توہین رسالت سب سے بڑا جرم ہے

ابن تیمیہؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ اس بات کا بالکل واضح ثبوت ہے کہ سب سے بڑا جرم رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا ہے۔ کیونکہ ان سب باتوں کے باوجود کہ آپ ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو امن دیا تھا، یہ خواتین تھیں، لڑائی میں بھی شریک نہیں تھیں، اور لونڈیاں تھیں، آپ ﷺ نے سزا کے لیے علیحدہ سے ان کا نام لیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جرم کتنا سنگین ہے۔۔۔!!

[1] اس کے علاوہ ایک اور شخص الحویرث بن نقیذ تھا جس کا نام اس فہرست میں موجود تھا۔ وہ بھی

اپنی زبان سے نبی ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے وقت وہ اپنے گھر میں چھپ کر بیٹھا تھا کہ حضرت علیؓ اس کو تلاش کرتے ہوئے اس کے گھر پہنچ گئے۔ لوگوں نے ان کو بتایا کہ وہ یہاں موجود نہیں ہے بلکہ بدیحہ یعنی مکہ سے باہر چلا گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حویرث کو بھی خبردار کیا کہ علیؓ تمہیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں آئے تھے۔ علیؓ جا کر گھر کے عقب میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب حویرث کسی دوسرے گھر کی طرف بھاگنے کے لیے نکلا تو علیؓ نے اس پر حملہ کر کے اس کا قلع قمع کر دیا۔

اسی طرح کی ایک اور مثال کعب بن زہیر کی ہے۔ وہ خود بھی شاعر تھا، اس کا بھائی بھی شاعر تھا اور اس کا باپ زہیر بن ابی سلمہ بہت مشہور شاعر تھا۔ وہ ان شعراء میں سے تھا جن کی شاعری کعبہ کی دیوار پر لگائی جاتی تھی۔ یہ عربوں کے ہاں دستور تھا کہ شاعری کے بہترین نمونوں کو وہ کعبہ کی دیوار پر لگا دیا کرتے تھے۔ زہیر کے دونوں بیٹے کعب اور بوجیر شاعر تھے۔ بوجیر مسلمان تھے جبکہ کعب کافر تھا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف اشعار پڑھا کرتا تھا۔ جب مسلمان مکہ میں داخل ہوئے بوجیر نے اپنے بھائی کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے ان لوگوں کو ختم کر رہے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے خلاف شاعری کی ہے۔ کعب اس وقت مکہ میں موجود نہیں تھا، تاہم اس کے بھائی نے اسے قبل از وقت خبردار کر دیا کہ آپ ﷺ نے ان سب لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جنہوں نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے ہیں۔ اور جو لوگ بچ گئے ہیں مثلاً عبداللہ بن زبریہ اور مغیرہ بن ابی وہب وہ بھی بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ ایسے تمام لوگوں کے قتل کا حکم دیا جا چکا ہے۔

یہ جرم کی سنگینی کی ایک مثال تھی۔

جب گستاخ رسول کی التجائیں بیکار گئیں

رسول اللہ ﷺ تو انتہائی رحم دل تھے اور اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ لیکن اس معاملے میں آپ ﷺ کا رویہ مختلف تھا۔

اس کے بعد ہمارے سامنے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کا واقعہ آتا ہے۔ غزوہ بدر میں قریش کے ستر مشرک قیدی بنے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو ان کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ فرداً فرداً ان سے بات کی جا سکے۔ انہی قیدیوں میں نضر بن حارث بھی شامل تھا۔ آپ ﷺ اس کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔ نضر بن حارث نے یہ دیکھ کر اپنے ساتھ والے آدمی سے کہا: ”سنو مجھے قتل کر دیا جائے گا، میں رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں اپنی موت دیکھ رہا ہوں۔“

وہ شخص بولا: ”نہیں تم ایسے ہی بول رہے ہو، تمہیں کچھ نہیں ہوگا، تمہیں دراصل ڈر لگا ہوا ہے۔“

نضر نے کہا: ”نہیں میں صحیح کہہ رہا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کی آنکھوا میں اپنی موت دیکھی ہے۔“

پھر نضر بن حارث نے مصعب بن عمیرؓ کو بلایا جو اس کے رشتہ دار تھے اور ان سے کہا: ”رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ان سے کہو کہ میرے ساتھ بھی باقی لوگوں والا معاملہ کریں، اور مجھ سے بھی اسی طرح برتاؤ کریں جس طرح میری قوم کے دیگر لوگوں سے کیا، اگر وہ ان کو مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو مجھے بھی مار دیں اور اگر ان کو معاف کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو مجھے بھی معاف کر دیں۔“

مصعب بن عمیرؓ نے جواب دیا: ”تم وہ ہو جس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے اور تم تو وہ شخص ہو جو اللہ کی کتاب کے خلاف باتیں بنایا کرتے تھے!۔

نضر بن حارث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقابلے کے لیے ان کے قریب حلقے بنا لیا کرتا تھا، وہ ایران جا کر قصے کہانیاں سیکھ کر آیا اور واپس آ کر مشرکین سے کہتا: محمد ﷺ تمہیں قصے ہی تو سنا رہے ہیں میرے پاس ان سے بہتر قصے ہیں، آؤ آ کر میرے قصے سنو!

اس نے مصعبؓ سے دوبارہ التجا کی کہ میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے بات کرو۔ مصعب

بن عمیرؓ بولے: کیا تم وہی نہیں ہو جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو اذیتیں دیا کرتے تھے؟

بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے نضر بن حارث کو بلایا اور حضرت علی بن ابی طالب کو اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ یوں اس کے ساتھ تمام قیدیوں سے الگ سلوک کیا گیا۔ اس وقت مسلمان مدینہ واپس جا رہے تھے۔ ایک خاص مقام پر پہونچ کر نضر بن حارث کو قتل کیا گیا۔ جب ذرا اور آگے گئے تو آپ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

عقبہ بولا ہائے میری بربادی! صرف مجھے ہی کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ میرے ساتھ یہاں … لوگ ہیں ان سب نے تمہارے ساتھ جنگ کی ہے، یہ سب قریش میرے ہی قبیلہ کے لوگ ہیں تو پھر صرف مجھے ہی قتل کیوں کیا جا رہا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”**لعداوتک للّٰہ ورسولہ**“ اللہ اور اس کے رسول سے تمہاری عداوت کی وجہ سے۔

اس نے کہا اے محمد (ﷺ) میرے ساتھ باقی قبیلہ والوں کی طرح ہی برتاؤ کیجیے۔ اگر ان کو قتل کریں تو مجھے بھی قتل کریں اور اگر انہیں چھوڑ دیں تو مجھے بھی چھوڑ دیں، اگر ان سے فدیہ لیں تو مجھ سے جو چاہیں لیں۔ اے محمد (ﷺ) میرے بچوں کا خیال کون رکھے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کتنے برے آدمی تھے۔ واللہ میں نے تم سے بڑھ کر اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کا انکاری نہیں دیکھا، تم نے اللہ کے نبی ﷺ کو ایذا دی، میں اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں جس نے تمہیں مارا اور تمہاری موت دکھا کر میری آنکھیں ٹھنڈی کیں۔

یہ بالکل واضح بات ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے ساتھ بہت مختلف طریقہ سے پیش آئے۔

نابینا صحابی نے گستاخ لونڈی کو قتل کر دیا

اس کے علاوہ ایک نابینا صحابیؓ کا واقعہ ہے جن کے پاس ایک لونڈی ام ولد تھی۔ اس سے دو بچے تھے۔ یہ عورت رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی تھی۔ وہ نابینا صحابیؓ اس کو منع

کرتے لیکن وہ پھر بھی باز نہ آتی۔ ایک رات وہ آپ ﷺ کو برا بھلا کہہ رہی تھی کہ اس صحابیؓ نے خنجر لے کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور اسے قتل کر دیا۔ صبح جب رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: ”میں اللہ کا نام لے کر کہتا ہوں کہ جس نے یہ کام کیا وہ کھڑا ہو جائے“۔

چنانچہ وہ نابینا صحابیؓ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اسے قتل کیا ہے، وہ آپ ﷺ کی توہین کرتی تھی اور منع کرنے پر رکتی نہیں تھی، میرے پاس اس سے دو بچے ہیں جو موتیوں کی طرح ہیں اور میری ذات کے لیے وہ بہت رحم دل تھی لیکن جب رات کو اس نے آپ ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو میں نے خنجر لے کر اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو اس کا خون رائیگاں ہو گیا ہے۔ یعنی اس کا کوئی خون بہا نہیں اور اس کے قاتل کے لیے کوئی سزا نہیں ہوگی۔

ذرا اس صحابیؓ کے الفاظ پر غور کریں، ان کے دو بچے تھے اور وہ انہیں موتیوں سے تشبیہ دے رہے تھے اور انہوں نے کہا کہ وہ عورت میرے لیے بہت رحم دل تھی، وہ نابینا تھے جنہیں ایسی رحم دل عورت کی ضرورت بھی تھی جو ان کے ساتھ حسن سلوک کرتی تھی، لیکن ہمیں رسول اللہ ﷺ سے اپنی ذات سے بڑھ کر محبت ہونی چاہیے، اپنے گھر والوں سے بڑھ کر، دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت ہونی چاہیے اسی لیے انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی خاطر، ان کی محبت میں۔ درحقیقت ہر مسلمان کو آپ ﷺ کے معاملے میں اسی طرح ہونا چاہیے۔

نیز آپ ﷺ نے اس فعل کی مذمت نہیں کہ بلکہ اسے پسند کیا اور فرمایا: ”گواہ رہو، اس کا خون رائیگاں ہو گیا ہے۔“

اسی طرح کی ایک اور صورتحال تب پیش آئی جب ایک صحابیؓ نے اپنے قبیلے کی کسی

عورت کو قتل کر دیا، اس پر رسول اللہ ﷺ کا ردِ عمل کیا تھا؟ کیا انہوں نے اسے سزا دی؟ نہیں! بلکہ فرمایا: ''اس پر تو دو بکریاں بھی آپس میں سینگ نہیں ماریں گی''۔

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے دیکھتے ہیں۔ علامہ واقدیؒ نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

گستاخ عورت کا قتل

اس عورت کا نام اسماء بنت مروان تھا۔ اس کا تعلق انصار سے تھا اور وہ بہت عمدہ شاعری کیا کرتی تھی۔ لیکن وہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی اور اسلام کے خلاف باتیں بنا کر لوگوں میں فتنہ پھیلانے کی کوشش کرتی تھی۔ اس طرح کی باتیں کرتی تھی کہ یہ شخص یعنی محمد (ﷺ) ہمارے قبیلے کا نہیں ہے پھر کیوں ہم اس کی میزبانی کر رہے ہیں اور اس کی وجہ سے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال رہے ہیں، کیوں اس کو اپنے درمیان میں رہنے دے رہے ہیں، اس کو یہاں سے نکال دو!

انصار نے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی وجہ سے بہت سی مشکلات برداشت کی تھیں۔ معاشی طور پر انہیں نقصان ہوا، ان کے بہت سارے لوگ مارے گئے، ان کے شہر کا محاصرہ کر لیا گیا، لیکن یہ سب کچھ وہ اللہ کی خاطر برداشت کر رہے تھے اور اسی لیے انہیں انصار کہا جاتا ہے یعنی وہ کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نصرت (مدد) کی۔

عمیرؓ بن عدی اس عورت کے گھرانے کے نابینا فرد تھے۔ انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے مدینہ لوٹنے کے بعد میں اسے قتل کر دونگا۔ (آپ ﷺ اس دوران بدر میں تھے) محمد ﷺ کے واپس آنے کے بعد عمیرؓ بن عدی آدھی رات میں اس کے گھر گئے اور سیدھا اس کے کمرے تک پہنچ گئے وہ اپنے بچوں کے درمیان سو رہی تھی اور ان میں سے ایک اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا، انہوں نے محسوس کیا کہ عورت نے بچے کو پکڑا ہوا ہے تو اس بچے کو اٹھا کر الگ رکھ

دیا اور اپنی تلوار سے اس کے سینے پر وار کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔

گستاخ رسول کے قتل پر تو دو بکریاں بھی اپنے سینگ نہیں ٹکرائیں گی

اس کے بعد انہوں نے فجر کی نماز آپ ﷺ کے ہمراہ پڑھی۔ جب آپ ﷺ نے نماز ختم کر لی تو عمیرؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کیا ہے؟ جواباً عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

عمیرؓ بن عدی کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں میں نے کچھ غلط نہ کر دیا ہو، مجھے پہلے آپ ﷺ سے اجازت لے لینی چاہئے تھی، کیونکہ آپ ﷺ اولی الامر تھے۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ میں نے کچھ غلط تو نہیں کیا؟

اس پر آپ ﷺ کا جواب کیا تھا؟ کیا انہوں نے یہ کہا کہ ہاں اجازت لینی چاہئے تھی یا نہیں تم نے بہت غلط کیا؟ نہیں! بلکہ فرمایا: ''لا ينتطع فيها عنزان'' اس پر دو بکریاں بھی آپس میں سینگ نہیں ماریں گی۔

یعنی یہ معاملہ اتنا واضح ہے کہ دو بکریوں کے درمیان بھی اس پر اختلاف نہیں ہوگا، جانوروں کی رائے بھی اس پر ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوگی۔ اور اب سبحان اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کہہ رہے ہیں کہ یہ بات تو جانوروں کی سمجھ میں بھی آتی ہے! وہ بھی اس پر نہیں جھگڑیں گے تو آخر ایسا کیوں ہے کہ اچھے خاصے سمجھدار لوگ اس پر اختلاف کر رہے ہیں۔ اتنی صاف اور سیدھی بات میں اختلاف کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ اس پر علماء کا اجماع ہے، جو ہم آگے چل کر بیان کریں گے انشاء اللہ۔

قاتل کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بشارت

اس کے بعد آپ ﷺ نے اردگرد بیٹھے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا: ''اذا احببتم ان تنظروا الی رجل نصر اللہ ورسوله بالغیب فانظروا الی عمیر بن عدی'' اگر تم ایک ایسے

شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غیب میں مدد ونصرت کی ہو تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو''۔

عمر بن خطابؓ بولے: ''اس نابینا شخص کو دیکھو جو رات کو اللہ کی اطاعت میں نکلا۔''

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا تقل الاعمی ولکنه بصیر'' اس کو نابینا نہ کہو اس کے پاس تو بصارت ہے۔''

افسوس! آج بہت سے لوگ اندھے ہیں، بہت سے لوگ اندھے ہیں۔

جب عمیرؓ واپس پلٹے تو اس عورت کے بچے اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر اسے دفنا رہے تھے۔ وہ ان کے پاس آ کر ان کو دھمکانے لگے ''اے عمیر تم نے اس کو مارا ہے'' ذہن میں رکھیں یہ انتہائی جنگجو قسم کے لوگ تھے، اوس اور خزرج نے اپنی آنکھیں ہی جنگوں میں کھولی تھیں۔

عمیرؓ نے جواب دیا: ''ہاں، تم سب مقابلہ کے لیے آ جاؤ! اگر تم میں سے کوئی اس جیسی بات کرے گا تو میں تم سب سے بھی لڑوں گا یہاں تک کہ تمہیں ختم کر دوں یا خود ختم ہو جاؤں۔''

اس عمل کا نتیجہ کیا نکلا؟ کیا لوگ اسلام سے دور بھاگ گئے؟ کیونکہ یہ تو ہجرت کے فوراً بعد کا واقعہ ہے۔ غزوہ بدر کے فوراً بعد یہ واقعہ پیش آیا جبکہ تمام انصار مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس طرح کے فعل سے تو لوگوں کو اسلام سے دور ہو جانا چاہیے تھا نا! لیکن ہوا کیا۔۔۔۔؟ علامہ واقدیؒ کے مطابق اس کے بعد ان لوگوں میں اسلام رائج ہو گیا، کیونکہ جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اپنی قوم کے لوگوں کی وجہ سے اسے چھپائے بیٹھے تھے، جب انہوں نے اسلام کی یہ قوت اور شان دیکھی تو اپنے ایمان کو ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

گستاخ رسول کے قتل کے لئے حاکم وقت کی اجازت کی ضرورت نہیں

اس واقعہ اور اس سے پہلے والے واقعہ سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟

ایک بات جو ملتی ہے وہ اجازت کے حوالے سے، کیونکہ آج کل حاکم وقت سے اجازت لینے کی بات بہت ہو رہی ہے اور یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔

میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ اگر کوئی آپ کے گھر پر کوئی حملہ کرے اور آپ کو مارنا چاہے تو اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ: ''جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مرے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مرے وہ شہید ہے، جو اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے مرے وہ شہید ہے، جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے مرے وہ شہید ہے۔'' (ابو داؤد، ترمذی) یقیناً آپ سب اس حدیث سے واقف ہوں گے۔ اب اگر کوئی شخص آپ کے گھر آ جاتا ہے اور آپ کے سر پر پستول لے کر کھڑا ہے، اور آپ کو قتل کرنے لگا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ اس سے اپنا دفاع کریں جسے اسلامی فقہ میں دفع الصائل کہتے ہیں، تو کیا آپ کو حاکم وقت سے اجازت لینے کی ضرورت ہو گی؟

وہ آپ پر پستول تانے کھڑا ہے اور آپ صدارتی محل میں یا بادشاہ کے محل میں فون کرتے ہیں، اس کے سیکڑوں سیکریٹریوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس تک رسائی ہوتی ہے اور آپ پوچھتے ہیں: براہ مہربانی میں اپنا دفاع کر سکتا ہوں؟ یہاں کوئی مجھے مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی کوئی تک نہیں بنتی۔ اگر آپ کو اپنے دفاع کے لیے حاکم وقت سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ کے دفاع کے لیے امام سے اجازت لینی پڑے گی؟

اس شخص نے جس نے بنی خطمہ کی عورت کو جا کر قتل کیا تھا، کیا اس نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی تھی؟ جبکہ آپ ﷺ وہاں موجود تھے۔ نہیں! اور کیا ان نابینا صحابیؓ نے اجازت لی تھی؟ جنہوں نے اپنے بچوں کی ماں کو مارا تھا؟ نہیں! انہوں نے اپنا کام کر لیا اور آپ ﷺ نے ان کے عمل کو پسند کیا اور فرمایا اس پر تو دو بکریاں بھی آپس میں سینگ نہیں ماریں گی!

لہٰذا امام سے اجازت لینے کا یہ مسئلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، آپ ﷺ کا منصب اور شان اس

سے بہت اونچا ہے۔ آپ ﷺ ہر امام سے بڑھ کر ہیں، آپ ﷺ کے معاملے میں کسی حاکم کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے! کسی حاکم کا اتنا مرتبہ نہیں کہ وہ اس معاملہ میں اپنی کوئی بات کہے۔

میرے عزیز بھائیوں اور بہنوں! یہ یاد رکھیے کہ ہم کس کی بات کر رہے ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کی بات کر رہے ہیں، وہ جن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ناموس کے دفاع کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ﷺ تو وہ ہیں جن پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ آپ ﷺ بہت خاص ہیں اور یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس سب سے الگ ہے اور ان کے لیے خاص احکام ہیں۔ یہ اجازت کے اصول ان کی ذات کے لئے نہیں ہیں۔

پھر ایک اور شاعر کا واقعہ ہے جس کا تعلق بنو بکر کے قبیلے سے تھا۔ بنو بکر قریش کے حلیف تھے اور ان کا یہ شاعر رسول اللہ ﷺ کے خلاف اشعار کہتا تھا۔ ایک دوسرا قبیلہ بنو خزاعہ کا بھی تھا یہ بھی مشرکین تھے لیکن صلح حدیبیہ کی رو سے یہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ قبیلہ خزاعہ کے ایک نوجوان نے اس شاعر کے سر پر حملہ کر دیا جس سے وہ مرا تو نہیں البتہ زخمی ہو گیا۔ پھر وہ لوگ ایک وفد کی شکل میں آپ ﷺ کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کا خون بہہ گیا ہے اسے قتل کر دو۔“

بعدازاں جب مکہ فتح ہوا تو بنو بکر مسلمان ہو گئے اور نوفل بن معاویہ رسول اللہ ﷺ سے اس شاعر کی بابت گفتگو کے لئے آیا۔ یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے خیانت کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے خزاعہ کے لوگوں کو مسجد حرام میں قتل کیا اور جب اس کے ساتھیوں نے جو کافر تھے اس سے کہا کہ اللہ سے ڈرو، تم مسجد حرام میں لوگوں کو قتل کر رہے ہو! تو اس نے جواب دیا تھا: ”آج کوئی خدا نہیں، اپنا بدلہ لے لو، اللہ کو بھول جاؤ، اپنا بدلہ لے لو“ (معاذ اللہ)

کس کا جرم زیادہ بڑا ہے نوفل کا یا اس شاعر کا؟ نوفل نے جو کام کیا تھا وہ آفت انگیز

تھا، لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا اور پھر یہ شخص اس شاعر کی سفارش کرنے کے لیے آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ اب وہ توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہتا ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔

میں نے آپ کے سامنے اسلام کے اولین دور کے چند واقعات رکھے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء اس مسئلہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ البتہ اس مسئلہ پر دو کتابیں تفصیل سے موجود ہیں، اگر کوئی مزید پڑھنا چاہے تو ان کتب سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ ایک کتاب کا تذکرہ میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتاب ”الصارم المسلول علی شاتم الرسول“ (شاتم رسول کے خلاف ننگی تلوار)۔ یہ پوری کتاب توہین رسالت ﷺ کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ دوسری کتاب فقہ مالکی کے عالم قاضی عیاض کی ”الشفاء فی أحوال المصطفی“ ہے۔ یہ کتاب آپ ﷺ کی سیرت پر مشتمل ہے اور آخر میں توہین رسالت پر ایک باب موجود ہے۔

ائمہ کرام کے نزدیک گستاخ رسول کی سزا

ابن المنذرؒ لکھتے ہیں: ”ہمارے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والا واجب القتل ہے۔“ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اللیثؒ، امام احمدؒ، اسحاقؒ اور امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ”جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو وہ واجب القتل ہے اور یہی تمام علماء کی رائے ہے۔“

الشفاء میں قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں: ”امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اسے بغیر کسی تنبیہ کے قتل کر دینا چاہیے۔“

ابن عتابؒ کہتے ہیں: ”قرآن وسنت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بھی رسول اللہ ﷺ کو نقصان

پہنچانا چاہے یا ان کی توہین کرے اس کو قتل کر دینا چاہیے، چاہے کتنی چھوٹی بات ہو۔

امام مالکؒ کا قول ہے: ”اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بٹن گندا ہے تو اسے بھی مار دینا چاہیے“۔ سبحان اللہ یعنی اتنی سی بات سے بھی اگر کوئی آپ ﷺ کی توہین کرے تو اسے بھی مار دینا چاہیے۔

اس کے بعد قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں: ”اس کے علاوہ کوئی اختلافی رائے ہمارے علم میں نہیں، اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

میرے بھائیوں اور بہنوں! اگر آپ میں سے کسی نے اصول الفقہ پڑھے ہوں تو اسے معلوم ہوگا کا اجماع حجت ہے۔ اگر علماء کا کسی بات پر اتفاق ہو جائے تو وہ قرآن وسنت کے بعد حجت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا تجتمع أمتي على ضلالة“ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ (احمد)۔

الواقدی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے آپ ﷺ کے خلاف زبان استعمال کی تھی۔ ہارون رشید نے امام مالکؒ سے کہا کہ عراق کے فقہاء نے اس شخص کو کوڑے مارنے کا فتوی دیا ہے۔ اس پر امام مالکؒ غصہ ہوئے اور کہا: ”اے امیر المؤمنین! امت زندہ کیسے رہ سکتی ہے جبکہ اس کے نبی کی توہین کی جا رہی ہو! جو کوئی انبیاء کی توہین کرے وہ واجب القتل ہے۔“

منافقین اور علماء سوء کا طرز عمل

میرے بھائیوں اور بہنوں! اس خطبے کے لیے تحقیق کرتے ہوئے مجھے بہت سے عجیب وغریب فتاوٰی ملے۔ اور یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ لوگ اللہ کے دشمنوں کو راضی کرنے کی کوشش میں کس قدر گر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فترى الذين في قلوبهم مرض يسارعون فيهم يقولون نخشى ان تصيبنا دائرة“ آپ

دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔“ (المائدۃ: ۵۲)۔

یہ منافقین ہیں اور ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، ان کو ڈر لگتا ہے کہ اگر ہم نے حق بات کہہ دی تو کہیں ہم پر کوئی مصیبت نہ آ جائے۔ یہ لوگ اللہ سے زیادہ اللہ کے دشمنوں سے ڈرتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کے لوگ فطری ردعمل کی وجہ سے سڑکوں پر نکل آئے کیونکہ جو کچھ انہوں نے سنا اس پر وہ غم وغصے سے بھر گئے تھے۔ ان سادہ مسلمانوں کے دل حضور ﷺ کی محبت سے معمور ہیں۔ یہ محبت ان کی فطرت کا حصہ ہے۔ وہ کوئی عالم نہیں ہیں بلکہ بس سادہ سے مسلمان ہیں جنہیں اپنی نبی ﷺ سے محبت ہے اور یہی محبت انہیں احتجاج کے لیے کھینچ لائی۔ ممکن ہے ہم ان جلوسوں سے اتفاق کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں، اس کے فوائد ونقصانات پر بات ایک الگ بحث ہے۔ لیکن اصل چیز جو دیکھنی چاہیے وہ جذبہ ہے جس کے تحت یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ ان مسلمانوں کی فطری محبت کا تقاضا ہے اسی لئے انہوں نے پرچم وغیرہ نذر آتش کئے۔ ان حالات میں علماء نے عوام کے سامنے ان کی اصل ذمہ داری اور شرعی حکم واضح نہیں کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ: ”لتبيننه للناس ولا تكتمونه“ علماء کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے احکام چھپانے کے بجائے ان کو کھول کر بیان کریں۔ اس کے برعکس انہوں نے لوگوں کو مزید الجھن میں ڈال دیا اور بجائے اس کے کہ وہ عوام کو اللہ کے حکم سے آگاہ کرتے انہوں نے جلسے جلوسوں کی مذمت شروع کر دی، جھنڈے جلانے پر ان کی مذمت کی، سڑکوں پر نکل آنے پر ان کی مذمت کی، اور کچھ علماء تو اس حد تک بڑھ گئے کہ ڈینش مصنوعات کے بائیکاٹ کی بھی مذمت کر دی اور کہنے لگے ”یہ ہمارے اور ان کے درمیان اچھے تعلقات قائم کرنے میں مزاحم ہے اور ہمیں چاہیے کہ اپنے اختلافات مٹا کر ایک دوسرے کے قریب آ جائیں۔“

ان سارے بیانات میں اللہ کے حکم کا کیا بنا؟ آخر اس کے حوالے سے بات کیوں نہیں کی گئی اور اس کو کیوں نہیں واضح کیا گیا؟ اگر آپ حق بات نہیں کر سکتے تو کم از کم خاموش رہنا چاہیئے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:"من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت" جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔" (صحیح بخاری، مسلم)۔

آج یہ لوگ علم کی دستار پہن کر لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں اور ان کے افعال کی مذمت کر رہے ہیں کہ ایسا مت کرو، لوگوں نے بھی کیا کیا؟ گھروں سے احتجاج کے لیے نکلے اور ڈینش مصنوعات کا بائیکاٹ کیا۔ حالانکہ یہ طریقہ محمد ﷺ کے پیروکاروں کے بجائے گاندھی کے پیروکاروں کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ آپ ﷺ تو وہ ہیں جنہوں نے فرمایا تھا:"انا نبی المرحمة، انا نبی الملحمة" میں رحمت کا نبی ہوں، میں جنگ کا نبی ہوں۔ (بیہقی، ترمذی) آپ ﷺ نے تو فرمایا تھا:"بعثت بالسیف بین یدی الساعة حتی یعبد اللہ وحده" مجھے قیامت کے دن تک کے لئے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔" (مسند احمد) اور فرمایا:"امرت ان اقاتل الناس" مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔" (بخاری و مسلم) اور ایک مرتبہ قریش کے لوگوں سے آپ ﷺ نے فرمایا:"جئتکم بذبح" میں تمہارے پاس ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔ (مسند احمد) ہم محمد ﷺ کے پیروکار اور امتی ہیں گاندھی کے نہیں! ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ 'ہم کون ہیں اور ہم کس کی بات کر رہے ہیں۔ یہاں معاملہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ یہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کی توہین کا معاملہ ہے۔

اس کے بعد بات حد سے بڑھ گئی جب ایک سویڈش لارس ولز (LARCE WILLS) نے محمد ﷺ کے خاکے بنائے، نعوذ باللہ یہ الفاظ منہ سے نکالنا بھی مشکل لگتا ہے۔ اس

نے آپ ﷺ کو ایک کتے کی شکل میں دکھایا۔ (لعنۃ اللہ علیہ۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو) اور اس پر یہ بدمعاش ان لوگوں کے خلاف فتوی جاری کرتے ہیں جنہوں نے اس کو دھمکایا تھا! اس کفر کے خلاف آواز اٹھانے اور لوگوں کے سامنے شرعی حکم رکھنے کے بجائے اگر زبان کھولی تو صرف مسلمانوں کی مذمت کے لیئے! علم کے اس منصب کا تقاضا کہاں پورا ہو رہا ہے؟

اس کردار کا حق ادا کرنا چاہیئے، حق کو صاف صاف کھول کر بیان کریں اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو علم کی یہ دستار اتار کر گھر بیٹھ جائیں۔ یہاں بات محمد ﷺ کی توہین کی ہے۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا تھا کہ جب تم دیکھو کہ میں نے اس کا سر تھام لیا ہے تو اس پر اپنی تلواروں سے حملہ کر دینا۔ یہ تھے محمد بن مسلمہ۔ آپ ﷺ پر جانثاری کرنے والے۔ افسوس! آج ہم میں کوئی محمد بن مسلمہ نہیں۔ ہمیں اپنی جان، مال اور ہر چیز سے آپ ﷺ کا دفاع کرنا ہے۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ ہم ان علماء کے بارے میں وہی بات کہہ سکتے ہیں جو قاضی عیاضؒ نے کہی تھی کہ:"ہو سکتا ہے کہ یہ وہ علماء ہوں جن کا علم معتبر نہ ہو یا جن کے فتاویٰ قابل اعتبار نہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں"۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والے کو قتل کرنا واجب ہے۔ اگر سیرت میں ہمیں اس کے برعکس کوئی واقعات ملتے ہیں تو اس لئے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے پاس آ کر توبہ کر لی اور مسلمان ہو گئے تھے اور اگر توبہ نہیں کی تھی تو ان کے لیے شرعی حکم یہی تھا۔"

اور وہ کہتے ہیں:" آپ ﷺ کو برا بھلا کہنا سب سے بڑا جرم ہے، اسی لیے اس کی سزا بھی دوسرے جرائم سے بڑھ کر ہے اور اگر ایسا کرنے والا حربی کافر ہو تو ہم پر آپ ﷺ کی نصرت کرنا واجب ہے۔ اس کا خون بہانا بہت افضل اعمال میں سے ہے اور ایک ایسا عمل ہے جس کا وجوب بہت زیادہ ہے۔ اس عمل میں بہت جلدی کرنی چاہیئے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ کی اعلی ترین صورتوں میں سے ایک ہے۔

یہ تھے ابن تیمیہؒ کے الفاظ!۔ ہمارے حق گو علماء کے الفاظ۔!

چند اعتراضات کا جائزہ

اب ہم چند اعتراضات کی بات کرتے ہیں جو اس ضمن میں پیش کیے جاتے ہیں۔ان میں سے ایک وہ واقعہ ہے جب کچھ یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس ملاقات کے لیے آئے تو انہوں نے السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا جس کے معنی ہیں تم پر موت آئے۔جب حضرت عائشہؓ نے ان کو برا بھلا کہا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا: ''اللہ ہر چیز میں نرمی پسند کرتا ہے۔''

لہٰذا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمیں توہین رسالت کرنے والوں سے اسی طرح نرمی سے پیش آنا چاہیے۔ابن تیمیہؒ اور قاضی عیاضؒ نے یہاں بھی ہمیں خالی نہیں چھوڑا بلکہ اس اعتراض کا بھی جواب دیا ہے۔قاضی عیاضؒ کہتے ہیں: ''یہ حدیث اور اس طرح کی دیگر حدیث اسلام کے اوائل سے تعلق رکھتی ہیں۔اس کے بعد شریعت کا یہ حکم ہے کہ ایسے لوگوں کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔'' یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: ''پہلی بات تو یہ کہ اس میں بالکل واضح طور پر آپ ﷺ کی توہین نہیں کی گئی ہے کیونکہ یہ ایسے الفاظ ہیں جنہیں سب نہیں سمجھ سکتے''۔

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تو معاف کر سکتے تھے ہم نہیں کر سکتے۔

یہ آپ ﷺ کا حق ہے۔ان کی مرضی ہے وہ معاف کریں یا نہ کریں، کیونکہ ان کی توہین کی گئی ہے، لیکن ہمیں معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔مثلاً اگر کوئی مجھ سے پیسے چوری کرے اور آپ جا کر اسے معاف کر دیں۔۔۔۔۔ایسا ہو سکتا ہے؟! آپ کیسے اسے معاف کریں گے؟ میں کروں تو کروں۔۔آپ کون ہوتے ہیں؟ اسی طرح یہ آپ ﷺ کو تو اختیار ہے وہ معاف کر دیں لیکن ہمارے پاس نہیں۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے بعد اب ہم کسی کو معاف کرنے کے مجاز نہیں، جب لوگ ہمیں نقصان پہنچائیں تب تو ہم انہیں درگزر کر سکتے ہیں لیکن جب حضور ﷺ کو نقصان پہنچائیں تو نہیں معاف کر سکتے۔

ایک اور اعتراض جو پیش کیا جاتا ہے وہ یہ کہ کفار اللہ تعالیٰ کی توہین کرتے ہیں [illegible] علیہ السلام کی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔یہ توہین رسالت سے بھی بڑی بات ہے۔

اس پر ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ''جب وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے کلمات کہتے ہیں تو ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی توہین کرنا نہیں ہوتا بلکہ یہ ان کا ایمان ہے اور وہ اس پر سچے دل سے یقین کرتے ہیں۔ان کی نیت توہین کی نہیں ہوتی البتہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ان کی نیت مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے کی ہوتی ہے اور وہ اسلام کو نشانہ تضحیک بنانا چاہ رہے ہوتے ہیں، اسی لئے ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

خلاصہ کلام

پہلی بات یہ کہ آپ ﷺ کی توہین سے آپ ﷺ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور نہ آپ ﷺ کے مرتبے میں کوئی فرق آتا ہے۔آپ ﷺ تو سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ان کا نام ہی محمد ﷺ ہے یعنی وہ جس کی تعریف کی جائے۔دن کے ہر لمحے میں، دنیا کے مختلف حصوں میں، مختلف اوقات میں کوئی نہ کوئی مینار ایسا ضرور ہوتا ہے جہاں "اشھد أن محمد رسول اللّٰہ" کی پکار بلند کی جا رہی ہوتی ہے۔اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جب فرشتے "صلى الله على سيدنا محمد" نہ کہہ رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرما رہے ہوتے ہیں۔

﴿ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی﴾

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں"۔

دنیا کے ہر کونے میں مؤمنین آپ ﷺ پر درود بھیج رہے ہوتے ہیں۔ اب یہ خبثاء آپ ﷺ کے بارے میں جو کچھ کہتے رہیں آپ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ہاں! لیکن ہمیں ضرور نقصان پہنچتا ہے، اگر ہم اسی طرح آپ ﷺ کی توہین ہوتے رہنے دیں تو ہمارے لیے یہ باعث گناہ ہوگا۔

فتح کی بشارت

دوسری بات: اگرچہ اس توہین سے ہمارے دل بہت مغموم ہوتے ہیں لیکن یہ اس بات کی نشانی ہے کہ کفار کی شکست اب بہت قریب ہے، انشاء اللہ۔ کیونکہ ابن تیمیہ ؒ لکھتے ہیں: "بہت سے قابل اعتماد، تجربہ کار اور فقہی علم رکھنے والے مسلمان شام کے شہروں اور قلعوں کے محاصرے کے تجربات بیان کرتے ہیں جہاں انہوں نے عیسائیوں کا محاصرہ کیا تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی قلعے یا شہر کو ایک مہینے یا اس سے زیادہ مدت تک کے لئے گھیرے رکھتے اور ہمارے محاصرے سے ان کو کچھ فرق نہیں پڑ رہا ہوتا تھا، بس ہم ہمت ہار کر ہٹنے ہی والے ہوتے لیکن پھر جب اس جگہ کے لوگ آپ ﷺ کی توہین کرتے تو ایک دن کے اندر اندر قلعہ فتح ہو جاتا تھا۔ اسی لئے جب کبھی ہم سنتے کہ وہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں تو ہم اسے فتح کی نوید سمجھتے۔ اگرچہ ہمارے دل نفرت سے بھرے ہوتے تھے لیکن ہم اسے بشارت کے طور پر لیتے تھے کہ یہ ہماری فتح کی نشانی ہے۔ سورہ کوثر کی آیت کا بھی یہی مطلب ہے: ﴿ان شانئک ھو الأبتر﴾ بے شک آپ کا دشمن ہی لاوارث اور بے نام ونشان ہے۔ (سورہ کوثر) یعنی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دشمنوں کو رسوا کرے گا۔

توہین رسالت کے حوالے سے آج کا دور ہماری تاریخ کا بدترین دور ہے۔ توہین رسالت کا یہ سلسلہ ڈنمارک کے ایک اخبار سے شروع ہوا اور پھر بہت سے حکومتوں اور اخبارات

نے آزادی رائے کے نعرے کے تحت ان سے اظہار یکجہتی کیا۔ یوں یہ خاکے ساری دنیا میں پھیل گئے۔ اس کے بعد سویڈن میں بننے والے خاکے ہیں جن کے اندر آپ ﷺ کو اس صورت میں دکھایا گیا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی توہین آمیز چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ اللہ کی کتاب کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے وہ نا قابل بیان ہے! اسے ٹوائلٹ پیپر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور کہیں اس پر نشانہ بازی کی مشق کی جاتی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اور جس حد تک ہو رہا ہے، اگرچہ مسلمانوں کے دل اس پر رنجیدہ ہوتے ہیں، لیکن یہ اس بات کی بھی علامت ہے کہ ان کفار کا انجام نزدیک ہے۔

آخری بات میرے عزیز بھائیوں اور بہنوں! جو ہمیں بحیثیت امت اور بحیثیت مسلمان یاد رکھنی چاہئے کہ چھٹی صلیبی جنگ کے دوران جب صلیبیوں نے مصر کے شہر دمیاط پر 615ء میں حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا اس وقت ایوبی امیر محمد کامل، منصورہ میں ان سے جنگ کر رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ صلیبیوں میں سے ایک شخص تھا جو روزانہ باہر نکلتا اور حضور ﷺ کو برا بھلا کہتا تھا۔ مسلمانوں کے امیر محمد کامل کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس پر قابو پا کر اسے ختم کردے، انہوں نے اس کا چہرہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔

دس سال بعد صلیبی ہار کر لوٹ گئے لیکن وہ شخص مزید جنگ کے لئے شام کی طرف چلا گیا، جہاں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ امیر محمد کامل کو وہ شخص دس سال بعد بھی یاد تھا۔ انہوں نے اسے مدینہ بھیج دیا اور وہاں کے امیر کو حکم دیا کہ اس کو آپ ﷺ کی قبر کے سامنے جمعہ کے دن ذبح کیا جائے۔ دس سال تک انہوں نے اس شاتم رسول کو اپنے ہدف پر رکھا ہوا تھا۔

میرے بھائیوں اور بہنوں! ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے درمیان ایسے مرد و خواتین پیدا کرے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ: "لا یخافون لومة لائم" وہ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ (سورہ المائدة ۵۴)

ایسے لوگ جو کفار کو یہ باور کرا سکیں کہ آپ ﷺ کی توہین کر کے دراصل انہوں نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے اور یہ غبار اب کبھی نہیں چھٹے گا!! باذن اللہ۔

حدود کا بیان......حدود کے سلسلہ کی عمومی باتیں

باب اول کے اختتام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا ایک اقتباس پیش کیا جائے، مولانا سعید احمد پالن پوری کے ترجمہ کے ساتھ، اس کا مقصد تبرک کے علاوہ مذکورہ بالا عربی عبارات کا خلاصہ اور لب لباب بھی بیان کرنا ہے۔

حدود شرعیہ کے ضروریات دین میں سے ہونے کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وہ جرائم جن میں سخت سزائیں ضروری ہیں

حدود: وہ سزائیں جو قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہیں، اور جو حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہیں: عقوبۃ، مقدّرۃ، وجبت حقاً للہ تعالیٰ (درمختار) اور ''حق اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ سزائیں مفاد عامہ کے لئے مشروع کی گئی ہیں۔ یعنی لوگوں کے انساب، اموال، عقول اور اعراض (آبرو) کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ یہ سزائیں گناہ سے پہلے گناہ سے روکنے والی، اور گناہ کے بعد سرزنش ہوتی ہیں۔ یہ نہ معاف کی جاسکتی ہیں، نہ ان میں سفارش کی گنجائش ہے۔ شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

چند جرائم ایسے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے سزائیں مقرر فرمائی ہیں۔ چنانچہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا کسی کو حق نہیں۔ یہ وہ جرائم ہیں جن میں مختلف جہتوں سے مفاسد جمع ہیں۔ ان سے زمین میں بگاڑ پھیلتا ہے۔ مسلمانوں کا چین سکون غارت ہوتا ہے۔ ان جرائم کے

جذبات لوگوں کے دلوں میں برابر ابھرتے رہتے ہیں۔ وہ انسان پر حملہ کرتے ہیں۔ جب وہ دل میں رچ بس جاتے ہیں تو لوگ ان سے بچ نہیں سکتے۔ ان میں ایسا ضرر ہے کہ مظلوم اس کو اپنی ذات سے ہٹا نہیں سکتا۔ اور وہ جرائم کثیر الوقوع ہیں۔

اس قسم کے جرائم میں عذاب آخرت سے ڈرانا کافی نہیں۔ ان پر سخت ملامت اور دردناک سزا ضروری ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہے۔ اور وہ ان کو ارتکاب جرم سے باز رکھے۔

ایسے سنگین جرائم پانچ ہیں:

(۱) زنا ہے، یہ گناہ شہوت کی زیادتی اور عورتوں کی خوبصورتی میں دلچسپی سے صادر ہوتا ہے۔ بدکاروں کے دلوں میں اس کی آرزو ہوتی ہے۔ عورت کے خاندان کے لئے اس میں سخت عار ہے۔ اور کسی کی بیوی میں دوسرے کی دست درازی انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اس سے قتل وقتال اور جنگ وجدال کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور زنا عام طور پر باہمی رضامندی اور تنہائی میں ہوتا ہے، جس سے عام طور پر لوگ واقف نہیں ہو سکتے کہ وہ روک ٹوک کریں۔ پس اگر اس کے لئے دردناک سزا مقرر نہیں کی جائے گی تو لوگ اس سے باز نہیں آئیں گے۔

(۲) چوری ہے۔ بارہا انسان اچھا پیشہ نہیں پاتا تو وہ چوری کا دھندا شروع کر دیتا ہے۔ اور یہ جذبہ بھی انسان پر حملہ کرتا ہے۔ اور چوری اس طرح مخفی طور پر ہوتی ہے کہ لوگ اس کو نہیں دیکھتے کہ روکیں۔ اس لئے اس جرم کی بھی سخت سزا ضروری ہے، تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں۔

چوری اور غصب میں فرق: غصب ایسی دلیل اور بوگس حجت کی بنیاد پر ہوتا ہے جس کو شریعت تسلیم نہیں کرتی۔ اور غصب: فریقین کے درمیان معاملات کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اور لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو منجملۂ معاملات قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ غاصب پر تاوان لازم کیا گیا ہے۔ اور اس کو مناسب سزادی

جائے گی۔اور چوری مخفی طور پر ہوتی ہے۔اس لئے اس کی روک تھام ممکن نہیں ،اس لئے اس کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔

(۳) راہ زنی ہے۔راہ زنی میں مظلوم راہ زن کو اپنی ذات اور اپنے مال سے ہٹا نہیں سکتا۔کیونکہ راہ زنی مسلمانوں کے شہروں میں اور ان دبدبہ والے علاقوں میں نہیں ہوتی کہ پولیس مدد کرے۔اس لئے ڈاکہ زنی کے لئے چوری سے بھی بھاری سزا ضروری ہے۔

(۴) شراب نوشی ہے۔شرابی: شراب نوشی کا رسیا ہوتا ہے۔اس سے زمین میں بگاڑ پھیلتا ہے۔اور لوگوں کی عقلیں از کار رفتہ ہوجاتی ہیں، جبکہ عقل ہی پر دنیا وآخرت کی صلاح موقوف ہے۔اس لئے یہ جرم بھی قابل سزا ہے۔

(۵) زنا کی تہمت لگانا ہے۔کیونکہ جس پر زنا کی تہمت لگائی جاتی ہے: اس کو سخت اذیت پہنچتی ہے۔اور وہ تہمت لگانے والے کو دفع کرنے پر قادر نہیں۔کیونکہ اگر وہ اس کو قتل کرے گا تو قصاصاً مارا جائے گا۔اور ضرب وحرب کرے گا تو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے گا۔پس اس جرم کے لئے بھی سخت سزا ضروری ہے۔

فائدہ: شراب نوشی کی سزا حدیثوں سے ثابت ہے۔باقی حدود قرآن کریم میں مذکور ہیں۔اور یہی چند جرائم ہیں جن کی سزائیں ''حدود'' کہلاتی ہیں۔باقی چھوٹے بڑے جرائم کی سزائیں ''تعزیرات'' کہلاتی ہیں۔جو قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں۔اور قصاص میں چونکہ معاف کرنے کا اختیار ہے،اس لئے وہ ''حدود'' میں شامل نہیں۔

مرتب کہتا ہے:

''چونکہ یہ حدود نصوص قطعیہ سے ثابت ہے تواتر کے ساتھ لہٰذا ان سب کا ضروریات دین میں سے ہونا قطعی ہے،لہٰذا ان میں کسی قسم کی تاویل وتصرف وغیرہ یقیناً کفر ہے''۔

باب دوم

اس باب میں سب سے پہلے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ضوابط تکفیر اور اہل حق کے اصولِ اکفار درج کئے جاتے ہیں:

ضروریات دین:

جیسا کہ عقائد وکلام کی کتابوں میں مشہور ہے''ضروریات دین'' سے وہ تمام قطعی اور یقینی امور دین مراد ہیں جن کا دین رسول اللہ ﷺ سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے اور حدِ تواتر و شہرتِ عام تک پہنچ چکا ہے۔حتی کہ عوام بھی ان کو دینِ رسول اللہ ﷺ جانتے اور مانتے ہیں۔مثلاً توحید، نبوت، خاتم الانبیاء پر نبوت کا ختم ہونا، آپ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہوجانا، حیات بعد الموت (مرکر دوبارہ زندہ ہونا) جزاء وسزا اعمال، نماز وزکوٰۃ کا فرض ہونا، شراب اور سود کا حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔

شہرت کے متعلق حاشیہ ''اکفار الملحدین'' کے حوالہ سے مترجم فرماتے ہیں:

حضرت مصنفؒ حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ شہرتِ عام کا معیار یہ ہے کہ عوام کے ہر ہر طبقہ میں اس کا علم پہنچ جانا چاہیے، ہر ہر فردِ عوام کا جاننا ضروری نہیں ہے۔اسی طرح عوام کے اس طبقہ کا جاننا بھی ضروری نہیں ہے جو دین اور دینی امور سے کوئی سروکار نہیں رکھتا، بلکہ عوام کے ان

تمام طبقوں تک اس امر ضروری کا علم پہنچ جانا چاہیے جو دین سے علاقہ رکھتے ہیں ''خواہ اہل علم ہوں خواہ غیر اہل علم'' اس زمانہ کے لحاظ سے حضرت مصنفؒ کی یہ تنقیح نہایت ضروری ہے۔ مترجم

ضروریات دین کی وجہ تسمیہ:

ایسے تمام عقائد واعمال کو ضروری اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہر خاص وعام شخص قطعی اور یقینی طور پر ان کو دین سمجھتا اور جانتا ہے کہ مثلاً فلاں عقیدہ رسول اللہ ﷺ کا دین ہے (یعنی ''ضروری'' اس اصطلاح میں قطعی اور ناقابل انکار یقینی امر کے معنی میں استعمال ہوا ہے) یہ معنی معروف بدیہی معنی کے قریب قریب ہیں۔

ایمان:

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

ایمان ایک عمل قلبی ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۷ پر وان المعرفۃ فعل القلب کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے۔ دین کے ہر ہر حکم کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنے کا پختہ قصد، یہ ایمان کے لیے لازم ہے (بالفاظ دیگر محض کسی چیز کا یقینی علم اور معرفت ہی ایمان نہیں ہے بلکہ دل سے اس کو مان لینا اور اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کرنا بھی ایمان میں داخل ہے)

مومن ہونے کے لیے تمام احکام شریعت کی پابندی کا عہد کرنا ضروری ہے:

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۷۴ پر تصریح فرماتے ہیں کہ التزام احکام شریعت صحت ایمان کے لیے ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں۔

''اہل نجران کے واقعہ سے جو احکام شریعہ مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی کافر کا صرف نبوت کا اقرار کر لینا اس کے مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ وہ تمام احکام اسلام پر عمل کرنے کا التزام نہ کرے (مسلمان نہ ہوگا)''۔

حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کی بہت اچھی طرح وضاحت کی ہے مراجعت کیجئے۔

حقیقت ایمان:

لہٰذا اب ایمان کی حقیقت یہ ہوئی:

(۱) ان تمام عقائد واحکام کی تصدیق کرنا اور ان کو دل سے ماننا جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

(۲) آپ کے لائے ہوئے تمام احکام شریعت کی پابندی اپنے ذمہ لینا اور قبول کرنا۔

(۳) آپ کے دین کے علاوہ باقی تمام مذاہب اور ادیان سے بے تعلقی کا اعلان کرنا۔

بہر کیف ایمان عمل قلب ہے اور دین کے ہر ہر حکم پر عمل کرنے کا پختہ قصد اور التزام ایمان کے لیے لازم ہے۔ یہ قصد وارادہ بھی تمام احکام دین پر محیط ایک ''بسیط حقیقت'' ہے۔ اس میں بھی کسی کمی بیشی یا تجزیہ کا کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرتا ہے وہ کافر ہے اور ''ان لوگوں میں سے ہے جو کتاب اللہ کے کسی حکم کو مانتے ہیں اور کسی حکم کا انکار کرتے ہیں'' ظاہر ہے کہ ایسے لوگ باتفاق امت قطعاً کافر ہیں۔ اگر چہ یہ لوگ اپنے ایمان، دین داری اور خدمتِ اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتے پیٹتے مشرق ومغرب کے قلابے ملادیں، اور یورپ وایشیاء کو ہلا ڈالیں۔ بقول شاعر:

وکل یدعی حبا للیلیٰ ۔ ولیلیٰ لا تقر لھم بذا کا
لیلیٰ کی محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کرتا ہے ۔ مگر لیلیٰ کسی کی محبت کو تسلیم نہیں کرتی

یہی وہ نکتہ ہے جس پر آغازِ عہدِ خلافت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر اس شخص سے جنگ کرنے کا اعلان کر دیا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے (یعنی نماز کو مانتا ہے اور زکوٰۃ کو نہیں مانتا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقصد یہی تھا کہ جو

شخص پورے دین کو ماننے کے لیے تیار نہیں وہ مومن نہیں (کافر ہے اور مباح الدم یعنی واجب القتل ہے)

شیخین رضی اللہ عنہما کا اتفاق رائے اور تمام صحابہ کرام کا اجماع:

آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی شرح صدر عطا فرمایا اور یہ حقیقت ان کی سمجھ میں آگئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رائے سے متفق ہوگئے۔

پورے دین پر ایمان لانا ضروری ہے:

چنانچہ اس سلسلے میں امام مسلمؒ صحیح مسلم میں جلد ۱ صفحہ ۳۷ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت نہ دیں اور مجھ پر اور جو دین میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان نہ لے آئیں۔ جب وہ اس کو اختیار کرلیں گے تو ان کو (مسلمانوں کی طرح) احکام شریعت کے مطابق جان و مال کی امان حاصل ہوجائے گی، بجز اسلامی حقوق کے، باقی ان کے دلوں کا معاملہ اللہ کے پاس ہے (کہ وہ دل سے ایمان لائے ہیں یا کسی خوف اور طمع سے)

۲۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۶ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا جو شخص بھی خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی میری بعثت کی خبر سن کر میری نبوت اور اس دین پر ایمان نہ لائے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر میں دل میں کہنے لگا کہ قرآن کریم کی کس آیت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے تو آخر آیت ذیل میرے ذہن میں آئی۔

﴿ومن يكفر به من الأحزاب فالنار موعده﴾ (الآية).

ترجمہ: اقوام و ملل میں سے جو کوئی بھی (اس دین کا) انکار کرے گا اس کی وعدہ گاہ (ٹھکانہ) جہنم ہے۔

اس آیت کریمہ کے لفظ 'احزاب' میں دنیا کے تمام ادیان و مذاہب اور اقوام و ملل آگئے اور رسول اللہ ﷺ کے قول کی تصدیق ہوگئی۔

مزید تحقیق کے لیے لفظ 'مرجۂ' کے تحت دائرۃ المعارف کی مراجعت کیجئے۔

تواتر اور اس کی چند قسمیں

۱۔ تواتر سند

(کسی حدیث کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں (شروع سے آخر تک) اتنے لوگ رہے ہوں کہ کسی زمانے میں بھی ان سب کا کسی بے اصل حدیث کی روایت کرنے پر آپس میں اتفاق کرلینا عادۃً محال ہو) مثلاً حدیث "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" کہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ پر بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث تمیں مختلف صحابیوں سے مختلف صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ بے شمار راویوں نے روایت کی ہے۔

حدیثِ ختم نبوت ازروئے سند 'متواتر' ہے:

اسی طرح ہمارے اصحاب میں سے مولوی (مفتی) محمد شفیع صاحب دیوبندی نے (ایک رسالہ میں) احادیث ختم نبوت جمع کی ہیں، ان کی تعداد پچاس سے زائد پہنچ گئی ہے۔ ان میں تقریباً تمیں روایتیں تو صحاح ستہ کی ہیں اور باقی دوسری کتب کی۔

۲۔ تواتر طبقہ

ہر عہد کے لوگ اپنے سے پہلے عہد کے لوگوں سے کسی روایت یا عقیدہ یا عمل کو سنتے اور نقل کرتے چلے آئے ہوں مثلاً قرآن کریم کا تواتر کہ مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین پر ہر زمانہ

اور ہر عہد کے مسلمان اپنے سے پہلے عہد اور زمانہ کے مسلمانوں سے بعینہ اسی قرآن کو نقل کرتے پڑھتے، پڑھاتے اور حفظ وتلاوت کرتے چلے آئے ہیں، تم عہد بعہد پڑھتے اور بڑھتے چلے جاؤ، جناب رسالت مآب ﷺ تک پہنچ جاؤ گے۔ نہ کسی سند کی ضرورت ہے نہ کسی راوی کا نام لینے کی۔

باقی ہر عہد کے لوگوں کا دوسرے عہد کے لوگوں سے یہ نقل کرنا اور اس پر یقین کرنا کہ یہ قرآن بعینہ وہی کتاب ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، اس میں تو سب مسلمان ہی شریک ہیں چاہے انہوں نے قرآن پڑھا ہو چاہے نہیں (اس لیے کہ اس یقین کے بغیر تو کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا)

۳۔ تواتر عمل یا توارث

ہر زمانہ میں لوگ جن امور دین پر عمل کرتے چلے آئے ہوں اور وہ ان میں جاری وساری رہے ہوں، وہ سب امور واحکام 'متواتر' ہیں (مثلاً وضوء، وضوء میں مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، اذان واقامت اور نماز با جماعت وغیرہ)

فائدہ نمبر ۱:

بعض احکام میں تینوں قسم کا تواتر جمع ہو جاتا ہے۔ مثلاً وضوء میں مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا، کہ یہ تینوں احکام ایسے ہیں جن میں تینوں قسم کی تواتر جمع ہوگئی۔

فائدہ نمبر ۲:

بعض لوگ (تواتر کی تینوں قسموں کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے) یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ 'متواتر' احادیث واحکام بہت کم ہیں۔ حالانکہ فی الواقع ہماری شریعت میں متواترات اتنے بے شمار ہیں کہ انسان ان کے گننے اور فہرست بنانے سے عاجز ہے۔

فائدہ نمبر ۳:

بہت سے ایسے احکام ومسائل ہیں کہ ہم ان کے 'تواتر' سے غافل اور بے خبر ہوتے ہیں

لیکن جب توجہ اور تجسس کرتے ہیں تو کسی نہ کسی اعتبار سے وہ متواتر نظر آتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بسا اوقات انسان 'نظری' مسائل سمجھنے اور محفوظ کرنے میں ایسا منہمک ہو جاتا ہے کہ 'بدیہیات' اس کی نگاہ سے بالکل اوجھل ہو جاتے ہیں (اور جب توجہ کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو بدیہی ہے)

ضروریات دین میں سے کسی متواتر 'امر مسنون' کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے

ضروریات دین اور متواترات کی اس تشریح وتحقیق کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً:

۱۔ نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے فرض ہونے کا اعتقاد بھی فرض ہے۔ نماز سیکھنا بھی فرض ہے اور نماز سے انکار یعنی اس کو نہ ماننا یا نہ جاننا کفر ہے۔

۲۔ مسواک کرنا سنت ہے مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد فرض ہے اور اس کی سنیت کا انکار کفر ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا اور علم حاصل کرنا سنت ہے اور اس کے علم سے ناواقف رہنا حرمان ثواب کا سبب ہے اور اس پر عمل نہ کرنا (رسول اللہ ﷺ کے عتاب) یا (ترک سنت کے) عذاب کا موجب ہے۔

(دیکھا آپ نے کہ ایک سنت کی سنیت کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے)

ضروریات دین میں تاویل کرنا بھی کفر ہے:

ہم آنے والی فصلوں میں زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ثابت کریں گے کہ ارباب حل وعقد علماء کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ 'ضروریات دین' میں کوئی ایسی تاویل کرنا بھی کفر ہے جس سے اس کی وہ صورت باقی نہ رہے جو تواتر سے ثابت ہے، اور جو اب تک ہر زمانہ کے خاص وعام مسلمان سمجھتے سمجھاتے چلے آئے ہیں اور جس پر امت کا تعامل رہا ہے۔

علماء احناف کے نزدیک تو کسی بھی 'قطعی' امر کا انکار کفر ہے:

علماء احناف تو اس پر اور اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی بھی 'قطعی' اور 'یقینی' حکم شرعی یا عقیدہ کا انکار کفر ہے۔ اگر چہ وہ ضروریات دین کے تحت نہ آتا ہو۔ چنانچہ شیخ ابن ہمامؒ نے مسایرہ میں ۲۰۸ پر اس کی تصریح فرمائی ہے اور دلائل کے اعتبار سے علماء احناف کی یہ رائے غایت درجہ قوی ہے (صفحہ ۲۰۸ طبع جدید مصر)

حاصل یہ ہے کہ ہر وہ 'قطعی' اور 'یقینی' امر شرعی جو اس قدر واضح ہو کہ اس کے تعبیر کرنے والے الفاظ اور ان کے معنی کو ہر اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط درجہ کا آدمی بآسانی جانتا اور سمجھتا ہو اور ان کی مراد بھی اتنی واضح ہو کہ اس کے متعین کرنے کے دلائل اور براہین کی کھینچ تان کی ضرورت نہ ہو ایسا 'امر شرعی' جب صاحب شریعت علیہ السلام سے بطور 'تواتر' ثابت ہو تو اس پر بعینہ اور ہو بہو اسی ظاہری صورت میں بغیر کسی تاویل وتصرف کے ایمان لانا فرض ہے اور اس کا انکار یا اس میں کوئی 'تاویل وتصرف' کرنا کفر ہے۔

اب اس باب دوم میں مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن اور علامہ محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ کے مضامین کا اقتباس مزید وضاحت اور تائید کے لئے درج کیا جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے منکر حدیث غلام احمد پرویز کے چند نظریاتِ فاسدہ کا ذکر فرمایا پھر ان کی تردید بالترتیب نہایت ہی محققانہ انداز سے فرمائی ہے۔ ایسے اصول ذکر فرماتے ہیں کہ جن سے ہر کفریہ عقیدہ اور اعمال فاسدہ اور اقوال کاسدہ کا رد ثابت ہوتا ہے، اور یہی طریقہ کار علامہ یوسف بنوریؒ نے اپنے عربی استفتاء اور فتویٰ میں بھی اختیار فرمایا ہے، مفتی ولی حسن صاحبؒ کی عبارت ملاحظہ ہو، پہلے نظریاتِ باطلہ:

(۱) قرآن کریم میں جہاں بھی ''اللہ اور رسول'' کا نام آیا ہے اس سے مراد ''مرکز ملت'' ہے۔

(۲) جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے اس سے مراد ''مرکزی حکومت کی

اطاعت'' ہے۔

(۳) قرآن کریم میں ''اُولی الأمر'' سے مراد افسرانِ ماتحت ہیں۔

(۴) رسول کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی سے اپنی اطاعت کرائے۔

(۵) رسول کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ وہ اس قانون کو انسانوں تک پہونچانے والا ہے۔

(۶) رسول اللہ ﷺ جب موجود تھے تو بہ حیثیت ''مرکز ملت'' آپ کی اطاعت فرض تھی آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم نہیں کیونکہ اطاعت کے معنی ہی کسی زندہ کے احکام کی تابعداری کرنا ہے۔

(۷) ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے۔

(۸) قرآن کریم کے احکام وراثت، قرضہ، لین دین، صدقہ خیرات و زکوٰۃ وغیرہ سب عبوری دور سے متعلق ہیں۔

(۹) شریعت محمدیہ صرف آنحضرت ﷺ کے عہد مبارکہ کے لیے تھی نہ کہ ہر زمانے کے لیے بلکہ ہر زمانے کی ''شریعت'' وہ ہے جس کو اس عہد کا مرکز ملت اور اس کی مجلس شوریٰ مرتب و مدون کرے۔

(۱۰) مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات، نماز، روزہ، معاملات، اخلاق غرض جس چیز میں چاہے ردوبدل کر دے۔

(۱۱) ''مرکز ملت'' اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت نماز کی کسی جزئی شکل میں ردوبدل کرسکتا ہے۔

غلام احمد پرویز کے خیالات کا رد

مذکورہ بالا اقوال سے قارئین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ غلام احمد پرویز کا مقصد حاکمیت

الہیہ سے انکار اور نبی اکرم ﷺ کے احکامات اور ان کے طریقہ کو کالعدم قرار دینا ہے اور اس کی جگہ پارلیمنٹ کی حاکمیت اور ان کے ماتحت وزراء اور آفیسران کی حاکمیت ثابت کرنی ہے۔ اور قانون سازی کا حق ان کو دینا ہے، اور یہی ہر ملک کے بددین حکمرانوں کا مقصد ہے تا کہ اسلامی نظام کی جگہ اشتراکیت یا سرمایہ دارانہ کافرانہ نظام قائم و نافذ ہو اور جمہوریت ملعونہ کے تحت ملک کا سیاسی نظام چلتا رہے، ان خرافات کے جواب میں حضرت مفتی ولی حسن رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل واضح طریقہ سے رد فرمایا ہے:

(۱) قرآن کریم میں جہاں بھی ''اللہ و رسول'' کا نام آیا ہے اس سے مراد مرکز ملت ہے

یہ کھلی ہوئی تحریف والحاد ہے اور دلالت الفاظ کے قطعاً خلاف ہے واضح رہے کہ لفظ ''اللہ'' کی دلالت اپنے معنی پر ظاہر و قطعی ہے اور اسی طرح لفظ ''رسول'' کی دلالت بھی، اور الفاظ شرعیہ کے معنی ظاہری و قطعی کو چھوڑ کر کوئی دوسرے معنی مراد لینا الحاد و زندقہ کے سوا کچھ نہیں۔

لفظ کی دلالت اپنے معنی پر یا لغوی ہوتی ہے یا عرفی یا اصطلاحی اور ''اللہ و رسول'' کی دلالت ''مرکز ملت'' پر ان تینوں دلالتوں میں سے کوئی سی بھی نہیں، عربی زبان کی مستند لغات میں سے کسی لغت میں بھی اللہ و رسول کے معنی مرکز ملت کے نہیں اور نہ کسی علم کی اصطلاح میں اس کے یہ معنی ہیں۔ بلکہ ایک عامی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ و رسول سے مراد مرکز ملت ہے، قرآن کریم اسی زبان میں نازل ہوا ہے جو عرب میں بولی اور سمجھی جاتی تھی، یہ زبان آج بھی زندہ ہے، اللہ و رسول کے الفاظ اس میں قدیم سے مستعمل چلے آتے ہیں۔ عربی زبان کے اشعار و محاورات محفوظ ہیں۔ پرویز نے اللہ و رسول کا جو مفہوم اپنے ذہن سے متعین کیا ہے اس کے ثبوت میں عربی زبان کا نہ تو کوئی محاورہ پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی شعر۔

قرآن کریم جس ذات گرامی پر نازل ہوا ہے اس نے اللہ و رسول کے معنی مرکز ملت کے نہیں بتلائے اور نہ جن نفوس قدسیہ کو قرآن کریم کا اولین مخاطب بنایا گیا تھا ان میں سے کسی نے اس کے یہ معنی سمجھے پھر قرآن کریم کی بے شمار آیات میں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اگر اس سے مرکز ملت مراد تھا تو کسی آیت میں اس کی وضاحت کیوں نہیں کی گئی؟ مزید برآں قرآن کریم میں اللہ و رسول پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، کیا مرکز ملت پر بھی اسی طرح ایمان لانا ضروری ہوگا؟ اللہ اور رسول پر ایمان نہ لانا کفر ہے، کیا مرکز ملت پر بھی ایمان نہ لانے کا نتیجہ کفر ہوگا؟ اللہ اور رسول کے خلاف ذرا بھی عقیدت میں فتور آ جائے تو کفر ہے کیا مرکز ملت کا بھی یہی حکم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ جو قرآن کریم میں ذکر ہوئی ہیں کیا یہی صفات مرکز ملت کی ہوں گی؟

الغرض اللہ و رسول سے مراد مرکز ملت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ صراحتاً الحاد و زندقہ ہے اور الفاظ قرآن کو باطنی مفاہیم پہنانے کی بدترین کوشش، قرآن کریم نے اس عمل کو الحاد سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر أم من یأتی آمنا یوم القیامة، اعملوا ما شئتم انه بما تعملون بصیر﴾

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری آیات میں الحاد (کجروی) کی راہیں نکالتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں بھلا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا جو آئے گا قیامت کے دن امن سے، کیے جاؤ جو چاہو، بے شک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آیات کو سن کر جو لوگ کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی سیدھی باتوں میں واہی تباہی شبہات پیدا کر کے ٹیڑھ نکالتے ہیں یا خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر ان کا مطلب غلط لیتے ہیں ممکن ہے وہ لوگ اپنی چالاکیوں پر مغرور ہوں، مگر اللہ تعالیٰ سے ان کا حال پوشیدہ نہیں۔ جس وقت اس کے سامنے جائیں گے خود دیکھ لیں گے۔ فی

الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ وہ مجرم کو ایک دم نہیں پکڑتا اس لئے آگے فرمایا ﴿اعملوا ماشئتم انہ بما تعملون بصیر﴾ یعنی اچھا جو تمہاری سمجھ میں آئے کیے جاؤ مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں، ایک دن ان کا پورا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

(۲) ''جہاں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر ہے اس سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے''

یہ بھی تحریف معنوی اور الحاد وزندقہ کی بدترین مثال ہے اور لفظ کی قطعی وظاہری دلالت سے صریح انحراف، یہاں بھی وہی سوالات ہوں گے جو اس سے پہلی تنقیح کے ذیل میں کیے گئے تھے۔ مزید برآں ایک سوال یہ بھی ہے کہ اگر کسی جگہ نظام حکومت نہ ہو تو وہاں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی کیا شکل ہوگی؟

یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اسلام کی اساس اولین ہے۔ سارے دین کی عمارت اسی پر قائم ہے، اسی لیے قرآن کریم میں اس کا جگہ جگہ ذکر آیا ہے اور نہایت تاکید کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿قل أطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا يحب الكفرين﴾ [آل عمران: ركوع ۴].

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو پس اگر تم اس سے اعراض کرو تو (یاد رکھو) کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

(۳) ''قرآن کریم میں ''أولی الأمر'' سے مراد افسران ماتحت ہیں''

یہ قرآن مجید کی کھلی ہوئی تحریف ہے، یاد رہے کہ آیت کریمہ ﴿اطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ کی جو تعبیر وتشریح پرویز کی عبارت میں کی گئی ہے وہ قطعاً کفر ہے اور امت محمدیہ کے قطعی فیصلے کے خلاف ہے ''اللہ کی اطاعت'' سے مراد وہ اوامر الٰہیہ ہیں جو

قرآن کی صورت میں امت کو دیئے گئے ہیں۔ اور ''اطاعت رسول'' سے مراد وہ احکام نبویہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں نافذ فرمائے تھے اور ان کا تمام تر ذخیرہ کتب حدیث میں محفوظ ومنضبط ہے، اور ''أولی الأمر'' سے مراد وہ با اقتدار طبقہ ہے جو تفقہ فی الدین کے وصف سے متصف ہو اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اجراء احکام شریعت میں دل وجان سے ساعی ہو، نیز وہ علماء ربانی کہ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں، ان ہی کو حق ہے کہ اللہ ورسول اللہ ﷺ کے کلام کی ضرورت کے وقت تعبیر وتشریح کریں اور ان ہی کی اطاعت امت پر فرض ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ''ترجمان قرآن'' اور ''خیر امت'' کے لقب سے عہد صحابہ میں مشہور ہوئے ہیں ان سے ''أولی الأمر'' کی جو تفسیر الدر المنثور میں بروایت ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم سے منقول ہے وہ یہ ہے:

"يعنى أهل الفقه والدين وأهل طاعة الله الذين يعلمون الناس معانى دينهم ويأمرونهم بالمعروف وينهونهم عن المنكر فأوجب الله طاعتهم على العباد". (ج ۲ ص ۱۷۶).

(ترجمہ) یعنی وہ حضرات جو فقہ ودین کے حامل ہوں اور اللہ کی اطاعت میں سرگرم ہوں اور لوگوں کو دین کے معانی سمجھاتے ہوں، نیکی کا حکم دیتے ہوں اور برائی سے روکتے ہوں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی اطاعت اپنے بندوں پر فرض کی ہے۔

یہی تفسیر جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہدؒ سے بھی منقول ہے (ملاحظہ ہو الدر المنثور، ج ۲ ص ۱۷۶)

ظاہر ہے کہ امت کی جن ہستیوں کی زندگی قرآن وسنت کی مزاولت میں گزری ہو اور جو سرتاپا شریعت مقدسہ سے آراستہ وپیراستہ ہوں وہی اللہ اور اس کے رسول کے دین کی تعبیر و

تشریح کے اہل ہیں اور ضرورت کے وقت ان ہی کی اطاعت کو واجب قرار دیا جاسکتا ہے۔ جاہل، بے دین یا فاسق اور بدعقیدہ افسران ماتحت اور حکام وقت جنہوں نے انگریز کی اطاعت وخدمت گزاری میں اپنی زندگیاں گنوائی ہوں اور جنہیں قرآن کریم پڑھنا بھی نہ آتا ہو ان کو دین کی تعبیر و تشریح کا حق کیسے دیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض روایات میں "أولو الأمر" کی تفسیر کے سلسلے میں بطور مثال حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم جیسے اکابر وفقہاء صحابہ کے نام منقول ہیں، اور بعض روایات میں صرف صحابہ کرام کو "أولی الأمر" کا مصداق قرار دیا ہے۔ ان تشریحات کی روشنی میں ہر مسلمان فیصلہ کرسکتا ہے کہ "أولـی الامـر" سے افسران ماتحت اور اللہ ورسول سے مرکز ملت یا نظام حکومت مراد لینا صریح کفر والحاد نہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) ''رسول کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی سے اپنی اطاعت کرائے''

ایسا کہنا قطعاً کفر ہے، اطاعتِ رسولؐ دین کے مسلمات میں سے ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا التحیات والتسلیمات نے اطاعت رسول کو ہمیشہ دین کا جزو لاینفک سمجھا ہے۔ رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہی اس کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، اور نہ صرف یہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ضروری ہے بلکہ ہر رسول مطاع ہوتا تھا اور ہر امت پر اپنے رسول کی اطاعت فرض ولازم تھی۔ دیکھئے قرآن کریم کس طرح حصر کے ساتھ بیان کررہا ہے:

﴿وما أرسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله﴾ [النساء ع ۹ پ ۵].

ترجمہ: ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔

پھر صرف رسول کی اطاعت کا حکم دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کی اطاعت کو خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرمایا گیا۔ ارشاد ہے:

﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾ [النساء ع ۱ پ ۵].

ترجمہ: جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور محبت الٰہی کے دعویداروں سے صاف کہہ دیا گیا کہ تمہارے اس دعوے کی سچائی اسی وقت ظاہر وعیاں ہوگی جب کہ تم رسول کی اتباع واطاعت میں سرگرم ہوگے معلوم ہوا کہ اتباع رسول کے بغیر محبت الٰہی اور اتباع قرآن کا دعویٰ سراسر لغو اور باطل ہے۔ ارشاد ہے:

﴿قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم﴾ [آل عمران ع ۴].

(ترجمہ) آپ فرمادیں اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری راہ پر چلو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اطاعت رسول کی اہمیت کی پیش نظر قرآن کریم میں اس کا بار بار حکم دیا گیا ہے چنانچہ چند آیات درج ذیل ہیں:

﴿قل أطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا يحب الكٰفرين﴾
[آل عمران ع ۴ پ ۳].

(ترجمہ) آپ کہہ دیں اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی پھر اگر اعراض کریں تو (سنادیجئے) کہ اللہ کو کافروں سے محبت نہیں۔

﴿وأطيعوا الله والرسول لعلكم ترحمون﴾ [آل عمران ع ۱۴ پ ۴].

ترجمہ۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم ہو۔

﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله ورسوله ولا تولوا عنه وأنتم تسمعون﴾
[الأنفال ع ٦ پ ١٠].

(ترجمہ) اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اس سے مت پھرو سن کر۔

﴿وأطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم﴾ [الأنفال ع٦ پ ١٠].

ترجمہ: اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں
نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔

﴿ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه فاولئک هم الفائزون﴾ [النور ع۷ پ ۱۸].

ترجمہ: اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہے اللہ سے اور تقوی اختیار
کرے سو وہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔

﴿قل أطيعوا الله والرسول فان تولوا فانما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم وان تطيعوه تهتدوا وما على الرسول الا البلاغ المبين﴾ [النور ع۷].

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر تم اعراض کرو گے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اگر اس (رسول کی) اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور پیغام لانے والے کے ذمہ نہیں مگر پہونچا دینا کھول کر۔

﴿واقيموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة وأطيعوا الرسول لعلكم ترحمون﴾ [النور ع۷ پ ۱۸].

ترجمہ: قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوۃ اور اطاعت کرو رسول کی تا کہ تم پر رحم ہو۔

﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول ولا تبطلوا أعمالكم﴾ [محمد ع۴ پ ۲۶].

(ترجمہ) اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل مت کرو۔

پھر اطاعت رسول کا بار بار تاکیدی حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ جب تک لوگ اپنے تمام باہمی جھگڑوں اور زندگی کے فیصلوں میں رسول اللہ ﷺ کو حَکَم نہ بنائیں گے ان کا ایمان کالعدم ہے، اور یہ بھی صاف کہہ دیا گیا کہ رسول برحق (ﷺ) کے فیصلوں کو دل کی کشادگی اور زبان وقلب کی ہم آہنگی کے ساتھ قبول کر لینا ضروری ہے، ارشاد ہے:

﴿فلا وربک لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما﴾ [النساء ع۹ پ ۵].

(ترجمہ) سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف

جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں کسی قسم کی تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے۔

یہ آیت کریمہ جس حقیقت کبریٰ کو بیان کر رہی ہے اس پر غور کرنے کے بعد کسی مومن کو اطاعت رسول کے بارے میں شک وشبہ نہیں رہ سکتا۔ آیت میں جو حکم بیان کیا جا رہا ہے وہ قرآن کے مخاطبین اولین کے ساتھ مختص نہیں بلکہ پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام قیامت تک اس کے ماننے کی مکلف ہے۔

غرض اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مومن کو یہ اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اس سے انحراف کر سکے۔ ارشاد ہے:

﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبيناً﴾
[الأحزاب، ع ۵، پارہ ۲۲].

ترجمہ: اور کسی ایماندار مرد کو یا عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ صریح اور صاف گمراہی میں پڑ گیا۔

آیت بالا واضح طور پر بتا رہی ہے کہ رسول کے فیصلے کے مقابلے میں کسی مومن کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں بلکہ اسکے لیے سعادت وسلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ رسول کے فیصلوں کے سامنے اپنا سر جھکا دے، ورنہ بصورت دیگر اسکے حصہ میں ضلال وگمراہی کے سوا کچھ نہیں، علامہ آلوسیؒ رقم طراز ہیں:

"أی أن يختاروا من أمرهم ماشاؤا بل يجب عليهم ان يجعلوا رأيهم تبعاً لرأيه عليه الصلوٰة والسلام واختيارهم تلواً لاختياره". (روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۲).

ترجمہ: یعنی ان کو یہ حق نہیں کہ اپنے امور کے متعلق جو چاہیں فیصلہ کریں بلکہ ان پر

لازم ہے کہ اپنی آراء کو جناب رسول اللہ ﷺ کی رائے مبارک کے تابع رکھیں اور اپنی پسند کو آپ کی پسند کا پابند بنائیں۔

اور یہی نہیں کہ رسول کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا بلکہ رسول کی مخالفت کرنے والوں کو عذاب الیم سے ڈرایا بھی گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة اويصيبهم عذاب اليم﴾

[النور : ع ۹ پارہ ۱۸] .

ترجمہ: سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا اس سے کہ آپڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دردناک عذاب۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدىٰ ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولىٰ ونصله جهنم وساء ت مصيراً﴾ [النساء ع۷ پارہ ۵] .

ترجمہ: اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو ہم اس کو حوالہ کریں گے وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

یعنی جب کسی کو یہ حق بات واضح ہو چکے پھر اس کے بعد بھی رسول کے حکم کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنے لیے جدا راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، (العیاذ باللہ)۔

ان آیات کے بعد ہم ان احادیث کی طرف آتے ہیں جس میں جناب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو امت پر فرض ولازم قرار دیا گیا ہے تو وہ اس کثرت سے ملتی ہیں کہ ان کا شمار بھی دشوار ہے چنانچہ اس سلسلے میں چند احادیث ہدیہ قارئین ہیں۔

عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ كل أمتي يدخلون الجنة الا من أبى قيل من أبى قال من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى . (رواه البخاري) .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان لوگوں کے جو انکار کریں، عرض کیا گیا یہ کون لوگ ہیں فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا۔

عن جابر في حديث طويل . في آخره .

"فمن اطاع محمدا فقد أطاع الله ومن عصى محمدا فقد عصى الله ومحمد فرق بين الناس" . (ر اه البخاري) .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں آتا ہے کہ جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ خط امتیاز کھینچنے والے ہیں مومن اور کافر کے درمیان۔

عن مالك بن أنس مرسلاً قال قال رسول الله ﷺ تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله . (مؤطا) .

جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں میں نے تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم اس پر عمل کرتے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ : والذى نفس محمد بيده لو بداكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل ولو كان حياً وادرك نبوتي لا تبعني . (دارمي)

ترجمہ: جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر تمہارے سامنے موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور تم ان کا اتباع کرو اور مجھ کو چھوڑ دو تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ اور اگر وہ بھی بقید حیات ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو میری ہی اتباع

کرتے۔

پرویز کے کفر وضلال کا نقطہ اولین اطاعت رسول کا انکار ہے اسی لیے علماء امت نے اطاعت رسول کو اصل دین قرار دیا تھا اور اس سے سرمو تجاوز کو زیغ وضلال کا سرچشمہ۔ امام اہل سنت امام احمد بن حنبل الشیبانیؒ کے الفاظ پڑھیے پرویز پر یہ الفاظ کس طرح صادق آتے ہیں۔

قال الامام احمد فی روایة الفضل ابن زیاد . نظرت فی المصحف وجدت طاعة الرسول ﷺ فی ثلاثة و ثلاثین موضعاً ثم جعل یتلو فلیحذر الذین یخالفون عن أمره أن تصیبهم فتنة . الآیة وجعل یکررها ویقول وما الفتنة الشرک لعله اذا رد بعض قوله ان یقع فی قلبه شیء من الزیغ فیزیغ قلبه فیهلکه وجعل یتلو هذه الآیة (فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم) . (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول ص ۵۵)

(ترجمہ) امام احمدؒ نے فرمایا (جیسا کہ فضل بن زیاد کی روایت ہے) کہ میں نے قرآن کریم میں غور کیا تو تینتیس مقامات پر جناب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود پایا پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرمانے لگے فلیحذر الذین ۔۔ الخ (چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ جو رسول ﷺ کی حکم کی مخالفت کرتے ہیں اس بات سے کہ ان کو کوئی فتنہ نہ پہنچ جائے) امام ممدوح اس آیت کو بار بار پڑھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ فتنہ کیا ہے؟ شرک ہے۔ ہوگا یہ کہ جب کوئی شخص آپ کے کسی قول کو رد کرے گا تو اس کے دل میں کجی سی پیدا ہوگی اور پھر جب اس کا دل کجی میں مبتلا ہو جائے گا تو اس کو ہلاک کر دے گا۔ اور پھر آپ یہ آیت پڑھنے لگے فلا وربک الخ (تیرے رب کی قسم وہ ایمان نہیں لائیں گے تاوقتیکہ وہ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم قرار نہ دیں) اطاعت رسول کا انکار درحقیقت رسول اللہ ﷺ سے برأت اور بیزاری ہے جو سراسر کفر ہے۔

علامہ شامیؒ شفاء قاضی عیاض سے ناقل ہیں کہ:

قال ابو حنیفة وأصحابه من بریء محمد ﷺ أو کذب به فهو مرتد . (رد

المختار ص ۴۰۱) .

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے فرمایا جو شخص جناب رسول اللہ ﷺ سے بیزاری کا اظہار کرے یا آپ کو جھٹلائے وہ مرتد ہے۔ رسول کے فیصلوں سے انکار درحقیقت رسالت سے انکار ہے اور رسالت سے انکار کفر ہے۔ آیت کریمہ ﴿**وما أرسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله**﴾ کی تفسیر کے سلسلہ میں علامہ شہاب خفاجیؒ لکھتے ہیں:

ای الا لیطیعه من بعث الیه ویرضی بحکمه فمن لم یرض به لم یرض برسالته فهو تارک لما یجب علیه الکافر ..... قال القاضی کانه ای الله احتج بذلک علی ان الذی لم یرض بحکمه وان أظهر الاسلام کافر وقیل فی توجیهه ان لم یرض بحکمه لم یرض بحکم الله تعالی ومن لم یرض بحکم الله تعالیٰ فهو کافر . (نسیم الریاض ، ج ۳ . ص ۳۵۲) .

یعنی جن لوگوں کی طرف نبی کو بھیجا گیا ہے وہ اس کی اطاعت کریں اور اس کے فیصلوں پر رضامندی کا اظہار کریں لہٰذا جو شخص اس کے فیصلوں پر راضی نہیں وہ اس کی رسالت سے بھی راضی نہیں اور وہ اپنے فرض کا تارک اور کافر ہے قاضی (عیاض) نے فرمایا گویا اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بطور دلیل بیان فرمایا ہے کہ جو شخص رسول کے فیصلوں سے رضامند نہ ہو اگرچہ وہ اسلام کا اظہار کرے وہ کافر ہے۔ آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول کے فیصلوں پر راضی نہیں تو وہ اللہ کے فیصلوں پر بھی راضی نہیں اور جو اللہ کے فیصلوں پر راضی نہیں وہ کافر ہے۔

ان آیات قرآنی کے بموجب آنحضرت ﷺ معلم، مربی، شارح کتاب الٰہی، امت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی، تمام نزاعات اور جھگڑوں میں حکم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریعی اختیارات کے حامل ہیں یہی وجہ ہے جس کی بناء پر آپ ﷺ کی زندگی کو قابل تقلید نمونہ اور آپ ﷺ کی اطاعت کو سب مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے اور ہدایت آپ ﷺ کی ہی اطاعت سے وابستہ کی گئی ہے۔ امور مذکورہ بالا کو ذہن نشین کرنے کے لیے آیات ذیل پر نظر ڈالیے:

﴿ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم﴾ . [البقرة ع ۱۳ پارہ ۱] .

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات کو پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی "تعلیم" دے اور ان کا "تزکیہ" کرے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے تین اوصاف بالترتیب مذکور ہیں:

۱۔ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانا۔

۲۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا۔

۳۔ ان کا تزکیہ وتربیت کرنا۔

﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ . [النحل ع ۶ پ ۱۴] .

ترجمہ: اور (اے نبی) یہ یادداشت (قرآن حکیم) ہم نے تمہاری طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کو واضح کردو وہ چیز جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

یعنی آنحضرت ﷺ کا کام ہی یہ ہے کہ "کتاب اللہ" کے مضامین کو خوب کھول کر لوگوں کے سامنے بیان فرمائیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو احادیث رسول ﷺ کے مطابق ہو۔

﴿انا أنزلنا إليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما أراك الله﴾ [النساء ع ۱۶ پارہ ۵] .

ترجمہ: بے شک ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان جو کچھ اللہ تمہیں سمجھائے اس سے فیصلہ کرو۔

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ ہم نے اپنی سچی کتاب آپ پر اس لیے اتاری کہ ہمارے سمجھانے اور بتلانے کے موافق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گویا

آپ کو مسلمانوں کی زندگی کے معاملات کا حکم اور قاضی مقرر کیا جارہا ہے لہٰذا مسلمانوں کی سعادت اسی میں ہے کہ آپ ﷺ کے فیصلوں سے سرمو تجاوز نہ کریں اور آپ ﷺ کے فیصلوں کے سامنے گردنیں جھکادیں۔

﴿يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم اصرهم والأغلال التي كانت عليهم﴾ . [الأعراف ع ۱۹ پارہ ۹] .

ترجمہ: وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے ان کو روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

اس آیت شریفہ میں آنحضرت ﷺ کو ذیل کے تشریعی اختیارات تفویض کئے جارہے ہیں:

(۱) نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

(۲) پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کرنا۔

(۳) لوگوں کے اوپر سے وہ بوجھ اور قیدیں اتار دینا جن میں پچھلی امتیں بتلا تھیں۔

اب ظاہر ہے کہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی جن حیثیات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے ان میں سے کسی ایک حیثیت کا انکار بھی قرآن کا انکار ہے۔

(۶) "رسول اللہ ﷺ جب تک موجود تھے تو بحیثیت "مرکز ملت" آپ کی اطاعت فرض تھی، آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم نہیں کیونکہ اطاعت کے معنی ہی کسی زندہ کے احکام کی تابعداری ہے"۔

یہ بات بھی کفر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ قیامت تک کے لئے واجب

الاطاعت ہے اور آپ ﷺ کی مذکورہ بالا حیثیات رسول و نبی کی ہیں جب آپ ﷺ کی رسالت ونبوت باقی ہے تو آپ ﷺ کی حیثیات بھی باقی رہیں گی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا انکار آپ کی رسالت ونبوت کا انکار ہے اور یہ کہنا کہ 'اطاعت کے معنی ہی کسی زندہ کے احکام کی تابعداری ہے' قطعاً غلط ہے۔

(۷) ''ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے''۔

یہ صریح الحاد و زندقہ ہے ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر نبوت و رسالت ختم ہوگئی اور اب کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا لہٰذا قیامت تک کے لیے ہدایت و سعادت آپ کی اطاعت میں منحصر ہے۔

واضح رہے کہ یہ عقیدہ ''کہ انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے'' رسول کی رسالت کے انکار کے مترادف ہے، آج ہر مسلمان کلمہ طیبہ میں رسول کی رسالت کا اقرار کرتا ہے اور تمام عالم اسلام کے گوشہ گوشہ سے اذان میں آپ کی رسالت کا اعلان کیا جاتا ہے۔

اگر آپ کی رسالت صرف اس بنا پر تھی کہ خدا کی طرف سے قرآن کریم آپ ﷺ نے ہمیں دیا اور بس اس سے آگے کچھ نہیں نہ آپ ہمارے لیے مطاع تھے نہ آمر نہ حاکم نہ قاضی اور نہ شارع تو پھر آپ کی رسالت العیاذ باللہ اس زمانہ میں عملاً ختم ہوچکی اور کلمہ طیبہ میں رسالت محمدی کا اقرار و ایمان بے معنی ٹھہرا۔

یاد رہے کہ ہر زمانے میں جس طرح قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح صاحب قرآن پر بھی۔ بلکہ درحقیقت صاحب قرآن پر ایمان لانے کے بعد ہی قرآن پر ایمان مکمل ہوتا ہے کیونکہ جب تک صاحب قرآن پر ایمان نہیں ہوگا قرآن پر ایمان کا دعویٰ سچا نہیں

ہوسکتا، اگر رسول کی رسالت کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو قرآن کی کوئی اہمیت نہیں رہتی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہر زمانے میں اطاعت رسول کا بتاکید حکم دیا ہے اور امت مسلمہ نے اطاعت رسول کو ہر زمانے کے لیے سند و حجت مانا اور اس سے انحراف کو کفر والحاد سمجھا ہے۔

آخر حضرات ابوبکر و عمر و دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا طریقہ اور طرز عمل آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی احادیث وارشادات کے ساتھ کیسا رہا؟ اسلام کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ خلفائے راشدین کے سامنے جب کوئی مسئلہ درپیش ہوا اور کسی نے اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ارشاد گرامی سنایا فوراً اس پر عمل درآمد شروع ہوگیا اور کسی نے یہ آواز نہیں اٹھائی کہ اب تو نبوت ختم ہوچکی اس لیے لوگوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنا ہوں گے۔

۹۔ شریعت محمدیہ ﷺ صرف آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک کے لیے تھی نہ کہ ہر زمانے کے لیے بلکہ ہر زمانے کی شریعت وہ ہے جس کو اس عہد کا مرکز ملت اور اس کی مجلس شوریٰ مرتب و مدون کرے

یہ صریح کفر ہے اور ختم نبوت کا انکار۔ شریعت محمدیہ ﷺ قیامت تک آنے والی امت کے لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک نبی کی شریعت کو دوسرا نبی ہی منسوخ کرسکتا ہے اور جب آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر نبوت و رسالت ختم ہوگئی تو آپ کی شریعت بھی آخری شریعت ٹھہری، پھر کسی مرکز ملت اور اس کی مجلس شوریٰ کو شریعت جدیدہ مرتب و مدون کرنے کا حق کس طرح مل گیا۔ پھر اطاعت رسول یا اتباع رسول جس کا قرآن کریم میں بار بار ذکر آیا ہے وقتی اور عارضی حکم نہیں بلکہ دائمی ہے اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ قرآن کریم میں اشارۃ یا کنایۃ بھی یہ ظاہر نہیں کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت واتباع کا حکم آپ کی حیات تک محدود ہے اس کے بعد جدید شریعت مدون کرلی جائے بلکہ اس کے برخلاف صراحت کے ساتھ

اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے دین وشریعت سے نہ پھرنا بلکہ اسی پر قائم ودائم رہنا۔ یہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات أو قتل انقلبتم علی أعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین﴾ [آل عمران ع۱۵ پارہ۴].

ترجمہ: اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں گذر چکے آپ سے پہلے بہت سے رسول، پھر کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا اللہ کا اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

اسی طرح جب یہ فرمایا گیا کہ:

﴿لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنة لمن کان یرجوا الله والیوم الآخر﴾ [الأحزاب ع۳ پارہ ۲۱].

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے رسول ﷺ کی ذات میں عمدہ نمونہ عمل ہے اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت سے آس لگائے ہو۔

تو اس سے مقصد یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی صرف آپ ﷺ کے عہد کے لیے نمونہ تھی بعد میں آنے والے زمانے کے لیے نہیں بلکہ آیت کریمہ تمام مسلمانوں کو بلا استثنا کسی زمان ومکان کے یہ ہدایت دے رہی ہے کہ ہر سچے مومن کے لیے جناب رسول اللہ ﷺ نمونہ کامل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اسی آیت سے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سنت کے واجب العمل ہونے پر احتجاج کرتے تھے۔

اخرج ابن ماجة وابن ابی حاتم عن حفص بن عاصم قال قلت لعبد الله بن عمر رضی الله عنهما رأیتک فی السفر لا تصلی قبل الصلاة ولا بعدها فقال یا ابن

اخی صحبت رسول الله ﷺ کذا و کذا فلم اره یصلی قبل الصلوٰة ولا بعدها ویقول الله تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة

واخرج عبدالرزاق فی المصنف عن قتادة قال هم عمر بن الخطاب رضی الله عنه ان ینهی عن الحبرة فقال رجل الیس قد رأیت رسول الله ﷺ یلبسها قال عمر بلی قال الرجل الم یقل الله تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة

واخرج الشیخان وغیرهما عن ابن عباس قال اذا حرم الرجل امرأته فهو یمین یکفرها وقال لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة الیٰ غیر ذلک من الاخبار (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۶۸)

ترجمہ: ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم نے حفص ابن عامر سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، میں نے آپ کو سفر میں دیکھا ہے کہ آپ نہ فرض نماز سے پہلے سنن ونوافل پڑھتے ہیں اور نہ اس کے بعد اس پر آپ نے فرمایا برادرزادے میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کافی عرصہ رہا ہوں لیکن میں نے آپ کو سفر میں نہ فرض سے پہلے نماز پڑھتے دیکھا ہے اور نہ اس کے بعد اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

محدث کبیر عبدالرزاق مصنف میں بروایت قتادہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرخ دھاری کے کپڑے پہننے سے منع کرنا چاہا اس پر ایک شخص نے کہا کہ آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کا کپڑا پہنے ہوئے نہیں دیکھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں، اس پر اس شخص نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا: "لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنة"۔

بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے پر اپنی بیوی حرام کرلے تو وہ قسم ہے جس کا کفارہ دینا ضروری ہے اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: "لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة"۔

مزید برآں ہر زمانے کے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ رسول جس امر کا حکم دیں اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

﴿مآ اتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا﴾ [حشر ع ۱ پ ۲۸]۔

ترجمہ: اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔

اس آیت پر منکرین حدیث کی طرف سے یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ آیت کریمہ فئی اور غنائم کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اس کا جواب واضح ہے کہ لفظ کا عموم معتبر ہے نہ کہ خصوص سبب، آیت کریمہ کے الفاظ عام ہیں۔ علامہ شہاب خفاجی فرماتے ہیں:

ھذا محمول علی العموم فی جمیع اوامرہ ونواھیہ لانہ لا یأمر الا بصلاح ولا ینھیٰ الا عن فساد وان کانت الأیۃ نزلت فی الفیٔ و الغنائم اذا العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔

ترجمہ: یہ حکم جناب رسول اللہ ﷺ کے تمام اوامر و نواہی کے لیے عام ہے کیونکہ آپ کسی خوبی ہی کی بنا پر حکم دیتے اور کسی خرابی ہی کی بنا پر ممانعت فرماتے ہیں اور گو یہ آیت فئی اور غنائم کے بارے میں اتری ہے تاہم اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا۔

علاوہ ازیں آیت ذیل میں شریعت محمدیہ کے واجب الاتباع ہونے کی صاف تصریح موجود ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے ساری امت کو اس کی اتباع کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

﴿ثم جعلناک علی شریعۃ من الأمر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون﴾ [الجاثیۃ ع ۲ پ ۲۵]۔

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو دین کی ایک خاص شریعت پر لگا دیا ہے تو اسی پر چلیے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو کچھ علم نہیں رکھتے۔

پھر ساری امت دورِ رسالت سے لے کر آج تک اس پر متفق اللسان ہے کہ شریعت محمدیہ ہی نجات کی راہ ہے اور اسی پر چل کر امت دنیا و آخرت میں سعادت و کامرانی حاصل کر سکتی

ہے اور سورۃ الجمعہ میں تو صاف تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت صرف اس عہد کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ تمام آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ہے۔ ارشاد ہے

﴿وآخرین منھم یلحقوا بھم﴾۔

اور اس رسول کو مبعوث کیا دوسرے لوگوں کے واسطے بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔

پھر یہ کہنا کہ شریعت محمدیہ صرف اس عہد کے لئے خاص تھی کتنا بڑا کفر صریح ہے۔

۱۰، ۱۱۔ مرکز ملت کو یہ اختیار دینا کہ وہ عبادات، نماز، روزہ، معاملات، اخلاق میں ردوبدل کرسکتا ہے یا مرکز ملت اپنے زمانے کے تقاضے کے ماتحت نماز کی کسی جزئی شکل میں ردوبدل کرسکتا ہے۔

صریح الحاد و زندقہ اور کفر ہے یہ خیال باطل دراصل دو لغو نظریوں پر مبنی ہے:

۱۔ اللہ و رسول سے مراد مرکز ملت ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بحیثیت مرکز ملت تھی اور اب آپ کی اطاعت نہیں ہو سکتی اور ان دونوں باتوں کا خلاف اسلام ہونا واضح ہو چکا ہے۔

مقام غور یہ ہے کہ جب خود قرآن کریم نے صاف غیر مبہم الفاظ میں دین اسلام کے ابدی ہونے اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمایا اور یہ بات صاف ہوگئی کہ قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک کے لئے قانون الٰہی ہے اب اور کوئی وحی آسمانی نازل ہوگی اور نہ دین شریعت میں کسی قسم کی تبدیلی ہوگی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾ [المائدہ ع ۱ پ ۶]۔

ترجمہ: آج میں تمہارے لئے دین پورا کر چکا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے واسطے اسلام کو میں نے دین کے لیے پسند کیا۔

﴿ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الأخرة من الخاسرين﴾ [آل عمران ع ۹] .

ترجمہ: اور جو کوئی دین اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارے والوں سے ہے۔

پھر اس صاف وصریح اعلان کے بعد کیسے اس کا امکان باقی رہ سکتا ہے کہ قرآن کریم کے احکام عارضی اور عبوری دور کے لئے ہیں جب وحی آسمانی کا دروازہ بند کر دیا گیا تو خالق کے قطعی قانون کو مخلوق کے مشوروں سے کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے، آخر جہالت کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے! لیکن درحقیقت مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم قابل قبول نہیں اس لئے جدید دین کی ضرورت ہے اور یہ دین وہ ہے جس کی تشکیل پرویز کر رہا ہے یا کوئی نام کی اصطلاحی حکومت اس کے مشورہ سے کرے اس سے بڑھ کر اور صریح کفر کیا ہوگا؟ گو وحی آسمانی کی جوابدہی اور قطعی ہے چند دہریئے اور ملحد اکھٹے ہو کر ختم کرنے کا حق رکھتے ہیں، اس جرأت اور ڈھٹائی کے ساتھ شاید ہی تاریخ اسلام میں کسی نے ایسی صریح کفر کی بات کی ہو۔

پرویز کی کفریات میں اور کچھ نہ بھی ہوتا تو اس کی تکفیر کے لیے بس ایک یہ بات ہی کافی تھی، پرویز جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا خلاصہ صاف صاف لفظوں میں یہ ہے کہ دین اسلام صرف عہد نبوت تک کے لیے تھا اب ختم ہو گیا اور اب تو ہر ایک نام کی اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسلام کا جدید ایڈیشن تیار کر لے اور جو کچھ الٹا سیدھا وہ قانون بنا دیں بس وہی دین اسلام ہے اور وہی اس زمانے کے شریعت ہے۔ بتلایئے کفر کی ایسی صریح دعوت آج تک کسی باطنی زندیق اور ملحد نے بھی دی ہے۔ اسلام کے نام پر اسلام کو ختم کرنے کی اس سے زیادہ اور کیا موثر تدبیر ہو سکتی ہے؟

امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نے اپنی کتاب 'الرسالہ' میں اطاعت رسول اور سنت کی حجیت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اسی سلسلہ میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

فذكر الله الكتاب وهو القرآن وذكر الحكمة فسمعت من ارضى به من اهل العلم

بالقرآن يقول الحكمة سنة رسول الله ﷺ وذلک انها مقرونة مع كتاب الله وان الله افترض طاعة رسوله وحتم على الناس اتباع امره فلا يجوز ان يقال لقول فرض الا لكتاب الله ثم سنة رسوله لما وصفنا من ان الله جعل الايمان برسوله مقرونا بالايمان به (ص ۷۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے الکتاب کا ذکر کیا جس سے مراد قرآن کریم ہے اور الحکمۃ کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں میں نے قرآن کے ان علماء سے جو میرے نزدیک پسندیدہ ہیں یہ کہتے سنا کہ اس سے مراد سنت رسول اللہ ہے اور یہ اس لئے کہ وہ کتاب اللہ سے ملی ہوئی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور اتباع رسول کو لوگوں پر حتمی قرار دیا ہے لہٰذا کسی امر کو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے بغیر فرض نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر ایمان لانے کے ساتھ اپنے رسول پر بھی ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔

﴿وانزلنا اليک الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم﴾ [النحل ع ٦ پ ١٤] .

ترجمہ: اور اے نبی یہ ذکر (قرآن) ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ واضح کر دیں لوگوں کے لئے اس کو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

اس آیت سے بوضاحت معلوم ہو رہا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی تھی کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام اور ہدایتیں دی ہیں آپ ان کی تبیین فرمائیں، تبیین کا معنیٰ ہے کسی چیز کو کھول کر بیان کرنا جس کے لیے ہم اپنی زبان میں تشریح کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ تشریح اور وضاحت اصل عبارت سے الگ ہوا کرتی ہے بس قرآن کریم کی اسی تبیین وتشریح کا نام حدیث ہے۔ قرآن کریم کے جو معانی ومطالب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے ہیں وہ احادیث قولیہ ہیں اور جن کی آپ ﷺ نے اپنے عمل سے تشریح فرمائی ہے وہ 'احادیث فعلیہ' یا 'تقریریہ' ہیں مثلاً قرآن کریم میں 'اقیموا الصلوٰۃ' وارد ہے آنحضرت ﷺ نے اس کی تبیین وتشریح کے سلسلہ میں فرمایا:

صلوا كما رأيتموني أصلي

ترجمہ: تم بھی اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

یا جب قرآن پاک میں ’آتوا الزکوٰۃ‘ کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی تبیین وتشریح کے سلسلہ میں مقادیر زکوٰۃ اور وجوب زکوٰۃ کے احکام بتادیے، یا چور کی سزا کے متعلق قرآن میں حکم آیا ہے کہ:

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسب نكالا من الله [المائده ع ٦ پ ٦].

ترجمہ: اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کی کمائی کی سزا میں (یہ) تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے۔

تو آپ ﷺ نے بتلادیا کہ ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا اور یہ سب بیان وتوضیح بھی وحی ہی تھی جو قرآن کے علاوہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

”لولا سنة ما فهم احد منا القرآن“ (ميزان شعرانی ص ٢٥)

ترجمہ: اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی شخص قرآن نہیں سمجھ سکتا تھا۔

امام شافعیؒ ’الرسالۃ‘ میں فرماتے ہیں:

”وسنة رسول الله مبينة عن الله معنیٰ ما اراد دليلا على خاصه وعامه ثم قرن الحكمة به فاتبعها اياه ولم يجعل هذه الاحد من غير خلقه غير رسوله“ (الرسالة ص ٧٩)

ترجمہ: اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کی مراد کو بیان کرنے والی ہے اور قرآن کے الفاظ عموم وخصوص کی دلالت کرنے والی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکمت کو قرآن کے پہلو بہ پہلو ذکر کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی اور شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا نہیں فرمایا۔

امام غزالی ’مستصفی‘ میں رقم طراز ہیں:

وقول رسول الله ﷺ حجة لدلالة المعجزة على صدقه ولامر الله تعالىٰ ايانا باتباعه ولانه لاينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحی یوحی لكن بعض الوحی يتلی

فسمی كتابا وبعضه لا يتلی وهو السنة وقول رسول الله ﷺ حجة على من سمعه شفاها فاما نحن فلا تبلغنا قوله الا بلسان المخبرين اما على السبيل التواتر واما بطريق الاحاد (مستصفی ص ٨٣).

ترجمہ: اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات حجت ہیں کیونکہ معجزات آپ کی صداقت پر دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی تابعداری کا حکم دیا ہے نیز یہ کہ آپ ہی کے حق میں وارد ہے لاینطق عن الھویٰ (الآیۃ) یعنی آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے جو کچھ فرماتے ہیں وحی کے ماتحت فرماتے ہیں، لیکن وحی کی ایک قسم وہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یہ کتاب اللہ سے موسوم ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی یہ سنت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا قول اس شخص کے لئے ہے جس نے آپ سے روبرو سنا ہو حجت قطعی ہے البتہ ہم لوگوں کی طرف آپ ﷺ کے اقوال راویوں ہی کی زبانی پہونچتے ہیں تواتر کی صورت میں یا خبر واحد کے ذریعے۔ قاضی شوکانی ارشاد الفحول میں لکھتے ہیں:

اعلم انه اتفق من يعتد به من اهل العلم على ان السنة المطهرة مستقلة بتشريع الاحكام وانها كالقرآن فی تحليل الحلال وتحريم الحرام وقد ثبت عنه ﷺ انه قال لا وانی اوتيت القرآن ومثله معه، والحاصل ان ثبوت حجية السنة المطهرة واستقلالها بتشريع الاحكام ضرورية دينية ولا يخالف فی ذلک الا من لاحظ له فی دين الاسلام (ص ٢٩)

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ تمام معتبر علماء اس امر پر متفق ہیں کہ سنت مطہر تشریع احکام کا مستقل ماخذ ہے اور سنت کسی چیز کے حلال اور حرام کرنے میں قرآن کے مثل ہے، صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل۔ الغرض سنت کا حجت ہونا اور احکام اسلامی کا ماخذ ہونا ضروریات دین میں سے ہے اس کی مخالفت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہ ہو۔

اور علامہ محقق ابن الہمام ’التحریر‘ میں فرماتے ہیں:

حجیة السنة ضروریة دینیة (ج ۲ ص ۲۲۵) .

ترجمہ: سنت کا حجت ہونا ضروریات دین میں داخل ہے۔

وکذلک یقطع بتکفیر کل من قال قولا صدر عنه یتوصل به لاتضلیل الامة ای کونهم فی ضلال عن الدین والصراط المستقیم (ج ۴ ص ۵۴۹) .

ترجمہ: اور اسی طرح یقینی طور پر اس شخص کی تکفیر کی جائے گی جس نے کوئی ایسی بات کہی جس سے پوری امت کا گمراہ ہونا یعنی دین اور صحیح راہ سے ہٹا ہوا ہونا لازم آئے۔

مذکورہ بالا امور کا خلاصہ اور لب لباب امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

اجماع الامة علیٰ تکفیر من خالف الدین المعلوم بالضرورة والحکم بردته (اکفار الملحدین ص ۶۵، منقول از ایثار الحق از محمد بن ابراهیم وزیریمانی)

ترجمہ: جو شخص کہ ضروریات دین کی مخالفت کرے اس کے کفر اور ارتداد پر اجماع امت ہے۔

واعلم ان اصل الکفر هو التکذیب المعتمد لشیء من کتب الله المعلومة اولاحد من رسله علیهم الصلوٰة والسلام اولشیء مما جاؤا به اذا کان ذلک الامر المکذب به معلوما بالضرورة من الدین ولا خلاف ان هذا القدر کفر وصدر عنه فهو کافر. (اکفار الملحدین ص ۶۵، منقول از ایثار الحق از محمد بن ابراهیم وزیریمانی).

ترجمہ: واضح رہے کہ اصل کفر یہی ہے کہ کتب الٰہیہ کی یا کسی رسول کی لائی ہوئی کسی چیز کی عمداً تکذیب کی جائے جبکہ وہ ضروریات دین میں سے ہو اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جس سے یہ تکذیب سرزد ہو بلا شبہ وہ کافر ہے۔

مرتب کتاب ''نور الہدیٰ عفا اللہ عنہ'' کہتا ہے کہ:

''یہی ہے معیار تکفیر اہل حق کا، اور یہی ہے معیار اکفار مجاہدین کا، اور یہی تحقیق ہے علماء دیوبند کی اور اشاعرہ، ماتوردیہ اور سلفیہ کا اسی پر اجماع ہے اور یہی ہے حق، ''وماذا بعد الحق الا الضلال''.

باب سوم

اس باب میں کفار سے موالات کی حرمت اور کفار سے برأت کا وجوب ثابت کیا جائیگا:

کفار سے موالات حرام اور براء واجب ہے

نیز جملہ کفار بالخصوص امریکیوں کی مدد کرنے والے کے کفر میں علامة المحقق ناصر بن حمد الفهد کی تحقیق اور اس کی کتاب کا ایک اہم اقتباس سہل اور سلیس ترجمہ کے ساتھ

علامہ ناصر لکھتے ہیں کہ کتاب اللہ میں بہت ساری آیات موضوع رسالہ پر دلالت کرتی ہیں، میں ان میں سے بعض آیات ذکر کروں گا۔

کتاب اللہ سے دلائل:

﴿یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ أولیآء بعضهم أولیاء بعض ، ومن یتولهم منکم فانه منهم ان اللہ لا یهدی القوم الظالمین﴾ [المائدة : ۵۱] .

"اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا یقیناً وہ بھی انہی میں سے ہوگا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

بلاشبہ یہ آیہ مبارک ہر ایسے شخص کے کفر پر جو کفار کی مدد کرے، تین وجوہات کی بنیاد پر دلالت

کرتی ہے:

(1) "**بعضهم أولیاء بعض**" یعنی کفار کا ایک دوسرے کا دوست، مددگار بنانا اور مسلمانوں کی دوستی سے برأت کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس نے بھی انہیں دوست بنایا پس وہ "**بعضهم**" میں داخل ہے اور یہ قولُ اللہ سے اسی وصف (کفر) سے متصف کرتا ہے۔ ابن جریرؒ نے فرمایا:

جہاں تک قولُ اللہ "**بعضهم أولیاء بعض**" کا مفہوم ہے تو یقیناً بات یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ مومنین کی جمعیت کے خلاف، ان کے دین وملت سے بغض ومخالفت (جو کہ ان کے مابین مومنین کے خلاف قدر مشترک ہے) رکھنے کی وجہ سے ید واحد کی مانند ہیں۔ اللہ کے مومن بندے اس بات کی معرفت کے ساتھ یہ بھی جان لیں کہ بے شک کسی کا ان میں سے بعض یا سب کے ساتھ دوستی رکھنا انہی مومنین کے دین وملت کی مخالفت کے زمرے میں شمار کیا جائیگا اور جیسے یہود ونصاریٰ مسلمانوں سے بھڑنے والے ہیں اسی طرح یہ بھی بھڑکانے والے کے حکم میں ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جاؤ جس طرح وہ تم سے ٹکراتے ہیں۔ پس ان سے دوستی گانٹھنے والے نے اہل ایمان سے ٹکراؤ اور برأت کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ ان (یہود ونصاریٰ) سے قطع تعلقی کا انکار کیا۔

(2) آیہ مبارکہ میں "**ومن یتولهم منکم فانه منهم**" سے انہی کی مثل کافر ہونا مراد ہے، ابن جریر نے فرمایا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مومنین کو چھوڑ کر یہود ونصاریٰ کو دوست پکڑے گا تو بے شک وہ انہی میں سے ہے۔ [illegible] پھر فرمایا: "جس نے مومنین کے مقابلے پر انہیں دوست پکڑا اور ان کی مدد کی تو وہ انہی کے دین وملت پر ہے، بے شک مومنین کو چھوڑ کر دوسرے سے دوستی کا مرتکب اپنے دوست، اس کے دین اور جو کچھ اس سے متعلق ہے اس پر راضی برضاء ہے اور جب اس نے (اس عمل سے) اپنے دوست اور اس کے دین پر رضاء کا اظہار کر دیا یعنی

اس کے دین کی مخالفت نہ کی اور اس پر غضب ناک نہ ہوا تو اس (کافر) اور اس (بزعم خود مسلمان) کا ایک ہی حکم ہے"۔

سلیمان بن عبداللہ بھی "الدرر" میں لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا ہے اور انہیں خبر دی کہ مسلمانوں میں سے جو کوئی انہیں دوست بنائے گا تو وہ انہی میں سے ہے اور اسی طرح جس نے کفار میں سے مجوسیوں اور بت پرستوں کو دوست بنایا تو وہ بھی انہی میں سے ہے"۔

(3) "ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین" میں ظلم سے مراد "الظلم الأکبر" ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "والکافرون ھم الظالمون" یہ اس آیت اور آئندہ آیات بطور دلیل ۲ سے ۴ تک میں بھی دلالت کرتی ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے واضح ذکر کردیا ہے کہ جس نے مومنین کو چھوڑ کر یہود ونصاریٰ سے ان کی اللہ، اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے کھلی دشمنی کے باوجود دوستی گھڑی اور ان کا معاون ومددگار بن گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہرگز حمایت نہ کرے گا کیونکہ جس نے انہیں دوست بنایا اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے ٹکر لی"۔

اسی آیہ مبارکہ کی تفسیر میں ابن جریرؒ لکھتے ہیں: "بہر حال صحیح بات ہمارے نزدیک اس معاملے میں یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان پر یہود ونصاریٰ کو دوست اور حلیف بنانے سے منع فرما کر انہیں خبر دی ہے کہ جس نے اللہ، اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کو چھوڑ کر، ان سے بغاوت کرتے ہوئے یہود ونصاریٰ کو دوست، حلیف یا مددگار بنایا تو یقیناً اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں اس سے بری ہیں"۔ محولہ بالا سورہ مائدہ کی آیت کے بعد دوسری آیت میں ان صفات کو منافقین کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ اصحاب تفسیر نے ان آیات کا شان نزول بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ، فعسی اللہ أن یأتی بالفتح أو أمر من عندہ فیصبحوا علی ما أسروا فی أنفسھم نادمین﴾.

"تم دیکھتے ہو جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں۔ مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنے اس نفاق پر جسے یہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے"۔

آیت میں کفار سے دوستی منافقین کی صفت بتائی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے مرض کا معنی شک وشبہ سے اور نفاق کیا ہے۔ "یسارعون فیھم" یعنی ظاہر وباطن میں ان سے تعلقات بہتر بنانے کی دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ اپنی اس سے دوستی اور مودت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ کافروں کا مسلمانوں پر غلبہ ہونے پر قوی امکان ہے، اس لئے ان کے ساتھ تعلقات بنا کر رکھے جائیں تاکہ ہمیں (مسلمانوں کے) بعد کوئی بڑا نقصان نہ اٹھانا پڑے اور ان تعلقات کے فوائد حاصل کئے جائیں۔

سورہ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیات ۵۳ تا ۵۶ اسی موضوع سے متعلقہ ہیں:

﴿ویقول الذین آمنوا أھؤلاء الذین أقسموا باللہ جھد أیمانھم انھم لمعکم، حبطت أعمالھم فأصبحوا خاسرین، یا أیھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ أذلۃ علی المؤمنین أعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لآئم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء، واللہ واسع علیم، انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون، ومن یتول اللہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون﴾.

"اور (اس مصیبت کے وقت) مسلمان (تعجب سے) کہیں گے کہ یہ وہی ہیں جو اللہ

کی سخت سخت قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان کے عمل اکارت گئے اور وہ خسارے میں پڑ گئے۔ اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جس کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) جاننے والا ہے، تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا (وہ تو اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) یقیناً اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانیوالی ہے"۔

محولہ بالا چاروں آیات یہود و نصاریٰ سے "تولی" کے متعلق ارشاد فرمائیں ہیں اور اس تولی سے مرتد ہونے کی درج ذیل وجوہات ہیں۔ آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ حلفیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں لیکن قرآن نے انہیں کفار سے دوستی گانٹھنے کی وجہ سے جھوٹا کہا ہے حالانکہ وہ اپنی زبانوں سے مسلمانوں کے ساتھ ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

امام ابن جریرؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: "مومن انتہائی تعجب سے کہتے ہیں واللہ! یہ تو بڑے جھوٹے منافق اور اللہ کا نام لے کر جھوٹی قسمیں کھانے والے ہیں (ہم ان پر بھروسہ کرتے رہے) حالانکہ یہ تو اپنی قسموں میں جھوٹے تھے"۔

قرآن نے کئی جگہ "حبطت أعمالهم" استعمال کیا ہے اعمال کی بربادی ہمیشہ کفر کی وجہ سے ہوتی ہے قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

﴿والذين كذبوا بآياتنا ولقاء الآخرة حبطت أعمالهم هل يجزون الا ما كانوا يعملون﴾ [الأعراف]

"اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا"۔

اور اسی طرح سورہ توبہ آیت ۱۷، المائدہ آیت ۵۱، سورہ زمر آیت ۶۵ میں بھی ارتکاب کفر کے ساتھ "حبطت أعمالهم" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

کتاب "صارم مسلول" میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں "اعمال کی بربادی کفر کی وجہ سے ہوتی ہے اور کفر کے علاوہ اور کسی گناہ سے سارے اعمال کے ضائع ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیونکہ جو ایمان پر مرے گا وہ ایک دن ضرور جنت میں داخل ہوگا، اگر اس کے تمام اعمال ضائع ہو چکے ہوں گے تو پھر وہ کس عمل کی بناء پر جنت میں جا سکے گا، اعمال کو وہی چیز گرانے والی ہے جو ایمان کی ضد ہو اور وہ کفر ہے۔ اصول شریعت کا یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے"۔

کفار سے دوستی کرنے والوں کے لئے قرآن نے "فاصبحوا خاسرين" کا لفظ استعمال کیا ہے، پورے اعمال ضائع ہونے کے بعد اس خسارے سے دنیا اور آخرت کا خسارہ مراد ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۷ میں ارشاد ہوا۔

﴿ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فاولئك حبطت اعمالهم في الدنيا والآخرة﴾۔

"تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا اس کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے"۔

مرتد ہونے کی ایک اور دلیل قرآن کے یہ الفاظ ہیں "ومن يرتدد منكم عن دينه" اور یہ آیت بھی سیاق کفار سے تولی کے متعلق ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فتاویٰ میں لکھتے ہیں: "اسلام میں جب بھی کبھی کسی گروہ نے ارتداد کیا تو اللہ تعالیٰ ضرور ایسے گروہ پیدا کرتا رہتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے، وہ اللہ کی طرف سے جہاد کرتے ہیں اور یہی طائفہ منصورہ ہوا کرتا ہے جو تا قیامت اپنا یہی فریضہ انجام دیتا رہے گا" ان

آیات کی تفسیر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ اس (البقرہ ۱۴۷) میں پچھلی آیات کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو دین اسلام سے ارتداد کریں اور ارتداد سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ سے دوستی نہ رکھیں۔ آیات کے مخاطبین صرف وہ لوگ نہیں ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے بلکہ ہمیشہ ان آیات کے مخاطبین انہی صفات کے حامل رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ سے دوستی لگا کر مرتد ہونے کے بعد دین اسلام کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اللہ اپنے فضل سے ایک اور گروہ اٹھائے گا جسے وہ پسند کرتا ہوگا اور وہ اللہ کو پسند کرتے ہوں گے۔ اور مومنین سے دوستی گانٹھیں گے اور یہود ونصاریٰ اور کفار سے دوستی نہیں کریں گے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور اللہ تا قیامت اپنے دین کی نصرت کرتا رہے گا"۔

کفار سے تولی ایک ارتداد کا فعل ہے اس کی دلیل آیات کا سیاق ہے جو عربی قاعدے کی رو سے حصر کے صیغے میں ہے اور تفسیر کا علم رکھنے والے حصر کے صیغے کی دلالت جانتے ہیں، آیت میں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور وہ لوگ جو ایمان لائے ان سے محبت رکھنے والوں کو حزب اللہ کہا گیا ہے جس کے مفہوم میں اس کا متضاد یعنی کفار سے محبت رکھنا حزب الشیطان میں ہونا شامل ہے۔ سورہ مجادلہ کی آخری آیت میں یہ متضاد مفہوم پوری طرح صریح الفاظ میں موجود ہے:

﴿أولئک حزب الشیطان ألا ان حزب الشیطان هم الخاسرون﴾

"یہ شیطانی لشکر ہے کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارہ پانے والا ہے"۔

اس سورت کی آیت نمبر ۵۷ میں شیخ عبد اللطیف آل شیخ "الدرر" میں لکھتے ہیں "واتقوا الله ان کنتم مومنین" میں لفظ "ان" شرطیہ ہے، جس کا مطلب ہے اہل کتاب سے دوستی رکھنے سے ایمان کی نفی مراد ہے اور ایسا شخص پھر مومن نہیں رہتا"۔

سورہ آل عمران آیت نمبر ۲۸ میں فرمایا:

﴿لا یتخذ المؤمنون الکافرین أولیآء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من الله فی شیء الا أن تتقوا منهم تقة ، ویحذرکم الله نفسه ، والی الله المصیر﴾.

"مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست ہرگز نہ بنائیں، جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں یہ معاف ہے کہ تم ان کے ظلم سے بچنے کے لئے بظاہر ایسا طرز عمل اختیار کر جاؤ مگر اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے"۔

اس آیت میں "ومن یفعل ذلک فلیس من الله فی شیء" کا صیغہ استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر میں امام ابن جریرؒ لکھتے ہیں "یہود ونصاریٰ کو اپنی پشت پناہ اور دوست مت بناؤ وہ اپنے دین پر ہوں، اور تم ان سے دوستی نہ لگاؤ نہ مسلمانوں کے خلاف ان کی پشت پناہی کرو، نہ مسلمانوں کی جاسوسی کر کے ان کی کمزوریاں ان پر عیاں کرو، جس نے ایسا کیا "ومن یفعل ذلک فلیس من الله فی شیء" میں شمار ہوگا۔ یعنی اللہ اس سے لاتعلق ہوا اور وہ خود اللہ سے لاتعلق ہو گیا، کیونکہ وہ اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور کفر میں داخل ہو گیا۔ ہاں اگر تم پر ان کا تسلط ہے اور تمہیں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو تو محض زبانی دوستی کا اظہار کر سکتے ہو لیکن باطن میں عداوت رکھنا واجب ہوگا، ان کے کفر میں ان کا ساتھ پھر بھی حرام ہے اور نہ کسی مسلمان کے خلاف ان کی مدد کرو"۔

سورہ نساء آیت نمبر ۱۳۹ میں فرمایا:

﴿الذین یتخذون الکافرین أولیآء من دون المؤمنین ، أیبتغون عندهم العزة فان العزة لله جمیعا﴾

"جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان (کفار) کے پاس جاتے ہیں حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے"۔

مومنوں کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست بنانا آیت میں منافقین کا طرز عمل بتلایا گیا ہے، امام ابن جریرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "اے نبی ﷺ منافقوں کو بشارت دے دو جنہوں نے مومنوں کو چھوڑ کر اہل کفر کو اپنا دوست بنا رکھا ہے اور میرے دین سے الحاد کر لیا ہے۔ کیا وہ ان سے دوستی لگا کر طاقت اور قوت حاصل کرنے کے خواہ ہیں دراصل یہی ذلیل اور کمزور ہیں۔ کیا انہیں

مومنین سے دوستی لگا کر قوت پانے کا یقین نہیں ہے حالانکہ اللہ کے پاس ایسی طاقت ہے کہ جسے چاہے عزت اور سرفرازی سے نوازے اور جسے چاہے ذلیل وخوار کر کے رکھ دے"۔

سورہ حشر آیت نمبر ۱۱ میں فرمایا:

﴿ألم تر الى الذين نافقوا يقولون لاخوانهم الذين كفروا من أهل الكتاب لئن أخرجتم لنخرجن معكم ولا نطيع فيكم أحداً أبداً ، وان قوتلتم لننصرنكم ، والله يشهد انهم لكاذبون﴾ .

کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا، اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کئے گئے تو ضرور بالضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ پکے جھوٹے ہیں"۔

یہ آیت بھی مفسرین نے سابقہ آیت کے سیاق میں بیان کی ہے۔ شیخ سلیمان بن عبداللہ "الدرر" میں لکھتے ہیں: مشرکوں سے خفیہ طور پر مدد اور نصرت کا وعدہ کرنا نفاق اور کفر سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ منافقین کا مشرکوں کے ساتھ یہ جھوٹا معاہدہ تھا اور وہ فی الواقع ایسا کرنے کا عزم نہیں رکھتے تھے پھر جو اس مدد اور نصرت کے معاہدے بر سر عام اور اعلانیہ کریں ان کا حکم کا سنگین تر ہے"۔

سورہ مائدہ میں فرمایا:

﴿لعن الذين كفروا من بنى اسرائيل على لسان داؤد وعيسى ابن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون ، كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلون ، ترى كثيرا منهم يتولون الذين كفروا لبئس ما قدمت لهم أنفسهم أن سخط الله عليهم وفى العذاب هم خالدون ، ولو كانوا يؤمنون بالله والنبى وما أنزل اليه ما اتخذوهم أولياء ولكن كثير منهم فاسقون﴾ .

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم

کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور حد سے تجاوز کرنے لگے تھے، انہوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے (بھی) روکنا چھوڑ دیا تھا جو انہوں نے اختیار کئے، بلاشبہ وہ بہت برا کرتے تھے، آج تم ان میں سے بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو (اہل ایمان کے مقابلہ میں) کفار کی حمایت اور رفاقت کرتے ہیں۔ یقیناً بہت برا انجام ہے جس کی تیاری ان کے نفسوں نے ان کے لئے کی ہے، اللہ ان پر غضبناک ہو گیا ہے اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ اور پیغمبر اور اس چیز کو ماننے والے ہوتے جو پیغمبر پر نازل ہوئی تو کبھی (اہل ایمان کے مقابلہ میں) کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے، مگر ان میں تو بیشتر لوگ اللہ کی اطاعت سے نکل چکے ہیں"۔

(الف): آیات میں بنی اسرائیل کے جن اشخاص پر حضرت داؤدؑ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کے ذریعے لعنت کرنے کا ذکر ہے، وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفار سے دوستی (بمعنی تولی) لگائی تھی۔

(ب): ان کے بارے میں "وفى العذاب هم خلدون" ہمیشہ کے عذاب کا ذکر ہوا ہے اور ہمیشگی کے عذاب کا کافر مستحق ہوا کرتا ہے، شیخ سلیمانؒ بن عبداللہ کہتے ہیں: "کفار سے دوستی اللہ کی ناراضی اور عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہنے کا سبب ہے سوائے ایسے شخص کے جسے بصورت دیگر اپنی جان کے ہلاکت کا قوی خوف ہو"۔

(ج): امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں آیت کہ ان الفاظ میں: ولو كانوا يؤمنون بالله والنبى وما أنزل اليه ما اتخذوهم أولياء ولكن كثير منهم فاسقون لفظ "لو" کی وجہ سے یہ جملہ شرطیہ ہے جس سے مراد ہے کہ ایمان کے ساتھ کفار سے دوستی نہیں ہو سکتی اور ایمان اور کفار سے دوستی، ایک دل میں دو متضاد صفات اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

شیخ سلیمان بن عبداللہؒ کہتے ہیں: "کفار کی دوستی، اللہ پر اس کے رسول پر اور جو اس پر نازل ہوا ہے، اس کی نفی کر دیتی ہے اور یہ بہت سے افراد کے فاسق ہونے کا سبب ہے اور اس

میں یہ فرق نہیں رکھا گیا کہ کیا واقعی وہ مصائب سے دوچار ہو جانے کا اندیشہ رکھتے تھے یا نہیں، یہی مرتدین کے بیشتر افراد کی کیفیت ہوا کرتی ہے"۔

مصنفؒ نے مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ سورہ انفال آیت ۷۳، آل عمران آیت ۱۴۹، ۱۵۰ سورہ محمد آیت ۲۵، ۲۶ سورہ نساء ۷۶ اور ۹۷، سورہ بقرہ آیت ۱۹۳ سے امام ابن کثیرؒ اور دوسرے مفسرین کے حوالے سے ارتداد کے احکام لکھے ہیں جو اختصار کے پیش نظر تحریر نہیں کئے گئے لہٰذا اہمیت موضوع کے پیش نظر قاری کے لئے یہاں مذکورہ بالا آیات کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

صحیح احادیث سے دلائل

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ کا واقعہ جو بخاری، مسلم اور دوسری کتب صحاح ستہ میں موجود ہے، علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے مجھے، زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ تم روضہ خاخ کے مقام تک جلد از جلد پہنچو، وہاں تمہیں ایک عورت ہودے پر سوار ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے چھین لاؤ، ہم گھوڑے دوڑاتے ہوئے جب روضہ خاخ پہنچے تو وہاں واقعی وہ عورت دیکھی، ہم نے اسے تحکمانہ لہجے میں کہا کہ خط ہمارے حوالے کردو، وہ کہنے لگی میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے کہا سیدھی طرح خط نکالتی ہو یا ہم تمہیں برہنہ کردیں، اس پر اس نے اپنے جوڑے میں سے خط نکال کر دیا جسے ہم لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے خط میں رکھا تھا: حاطب بن ابی بلتعہؓ کو بلا کر ان سے پوچھا، اے حاطب یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمائیے، بات یہ ہے کہ میں قریش کے خاندان میں سے نہیں ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ زیادہ عزیز، اور ان مہاجرین کے وہاں عزیز واقارب ہیں جو ان کے گھر بار کی حفاظت کرنے کی دسترس رکھتے ہیں، میں نے یہ چاہا تھا کہ میں قرابت داری میں تو ان کا شریک نہیں ہوں لہٰذا کچھ احسان ہی ان پر ایسا کردوں جس کا

پاس لحاظ کرتے ہوئے وہ میرے کنبہ کو نہ ستائیں۔ میں کچھ بھی اپنے دین سے نہیں پھرا اور نہ میں مسلمان ہونے کے بعد کافر ہونا پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ یہ بیان سن کر فرمایا حاطب سچ کہتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس منافق کی گردن اڑانے دیجئے اور دوسری روایت میں (عمرؓ نے) کہا اس نے اسلام لانے کے بعد کفر کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس نے بدر کے معرکے میں شرکت کی ہے، اللہ نے بدر والوں کو دیکھ لیا ہے اور یہ کہہ دیا ہے اب تم جو چاہو کرو میں تمہیں بخش ہی چکا ہوں"۔

اس واقعے سے یہ امر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ کفار کی پشت پناہی اور نصرت کفر اور ارتداد ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ دوسری روایت میں عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں "فقد کفر" (بلاشبہ یہ کفر کا مرتکب ہوا ہے) ایک تیسری روایت میں عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے اس قول کے بعد کہ "کیا وہ غزوہ بدر میں شامل نہ تھا؟" کہا "آپ ﷺ کا فرمانا بجا ہے مگر آپ کے دشمنوں سے تعاون کرا کے اس نے اپنے آپ کو اس عہد سے الگ کرلیا ہے"۔

عمر رضی اللہ عنہ جیسے فقہی صحابہ کے نزدیک مسلمانوں کے خلاف کفار سے تعاون کفر وارتداد تھا، نبی ﷺ نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کے اس قوم کو کہ ایسا شخص مرتد اور قابل گردن زنی ہے تصدیق کردی لیکن حاطب رضی اللہ عنہ کے لئے بدری صحابی ہونے کی وجہ سے اس حکم کا خاص استثناء کہا تھا، خود حاطب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ مخبری کفر اور ارتداد کی وجہ سے نہیں کی ہے اور نہ ہی اسلام کے بعد کفر میں جانا چاہتا ہوں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی مخبری کرنا خود حاطب رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی کفر وارتداد تھا۔

حاطب رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور غزوہ بدر میں شریک ہو کر غازی بنے تھے اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا تھا، مذکورہ واقعے میں انہوں نے کسی کافر کی مدد نہ

اپنے مال سے کی ہے اور نہ ہی طاقت فراہم کر کے، اس کے باوجود ان پر مذکورہ بالا حکم لگاتے ہوئے ان خدمات سے صرف نظر کیا جاتا ہے، وہ لوگ جو کفار سے تعاون کرتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف کفار کی پشت پناہی کرتے ہیں ان کا حکم بلاشبہ اس سے بڑھ کر ہے۔

عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ آپ کے حقیقی چچا غزوہ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے، جب اسیران بدر سے معاوضہ طے پا گیا تو عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''میں دراصل اسلام لا چکا تھا اور قریش کے ساتھ بامر مجبوری نکلا تھا'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ ہی آپ کے اسلام کے بارے میں بہتر جانتا تھا، اگر واقعہ یہی ہے جو آپ کہتے ہیں تو اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ جہاں تک ظاہری عمل کا تعلق ہے تو وہ ہمارے خلاف تھا آپ کو اپنا اور بھتیجے کا زر خلاصی اداء کرنا ہوگا'' (ابن ہشام)۔

عباس رضی اللہ عنہ مجبوراً قریش کے ساتھ نکلے تھے مگر آپ ﷺ نے ان پر ظاہری حکم لگایا تھا اور ان کا معاملہ دوسرے مشرکین جیسا رکھا گیا تھا، ایسا شخص جو بلا کسی مجبوری مشرکین کی حمایت کرے اس کا شریعت اسلامی میں حکم کہیں بڑھ کر ہوگا۔

اس مسئلہ سے متعلق امام بخاریؒ، محمد بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں:

مجھے عکرمہ رحمہ اللہ جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے نے بتایا کہ مجھے ابن عباس نے کہا تھا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں میں بعض لوگ مشرکین کے لشکر میں شامل ہو کر ان کی تعداد اور دبدبے میں اضافے کا سبب بنتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تیروں کی بارش میں انہیں بھی تیر لگ جاتے جس سے وہ ہلاک ہو جاتے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں یہ آیت نازل کی:

﴿ان الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی أنفسھم﴾ .

''وہ لوگ کہ جن کی فرشتے اس حال میں روح قبض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جانوں

پر ظلم کیا ہوتا ہے'' اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ کافروں کے لشکروں میں جو شریک ہوگا اس کا ظاہری حکم کفر کا ہے خواہ وہ بزور اس لشکر میں شامل کیا گیا ہو یا کسی اور وجہ سے اس لشکر میں شامل ہونا اس کی مجبوری بن گیا ہو۔

امام ابوداؤدؒ سمرہ سے روایت کرتے ہیں: ''جس نے مشرک کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھا اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کی وہ اسی طرح ہے''۔

اس حدیث میں محض رہائش اور رہن سہن سے مندرجہ بالا حکم لگایا گیا ہے جبکہ اس کے مسلمان ساتھی نے مشرک کے دین کی موافقت نہیں کی، رہائش تو کیا مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی اعلانیہ مدد کی جارہی ہے۔

فیض قدیر میں علامہ مناویؒ ابوداؤدؒ کی سابقہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ کے دشمن کے رہن سہن رکھنا اور اس سے دوستی لگانے سے لازماً وہ اللہ تعالیٰ سے لا تعلقی کا اظہار کرتا ہے، جب کوئی اللہ سے ناطہ توڑ دے تو پھر شیطان اس سے اپنا تعلق قائم کر کے اسے کفر کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے، علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ یہ ایک قابل فہم حقیقت ہے کہ آپ جس سے دوستی کریں اور پھر ساتھ اس دوستی کے اس کے ازلی دشمن سے بھی ہمدردی اور محبت رکھیں ایسا ہونا ناممکن ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ ''نیل الاوطار'' میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس حدیث کی رو سے کفار کے ساتھ رہائش رکھنا حرام ہے اور ان سے الگ تھلگ رہنا واجب ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث کی سند میں ائمہ کرام نے بحث کی ہے لیکن اس حدیث کا مفہوم قرآن کی اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے ''**فلا تقعدوا معھم انکم اذا مثلھم**'' تم ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی ان کے زمرے میں شمار ہوگے''۔

نیز دوسری روایت جو بہز بن حکیم سے مرفوعاً ہے کہ اللہ ایسے مسلمان کا کوئی عمل قبول

نہیں کرتا جو پہلے مشرک تھا، اور اسلام لانے کے بعد مشرکین کو چھوڑ کر الگ نہیں ہو جاتا۔

اس مفہوم کی ایک اور حدیث ابوداؤد اور جامع ترمذی میں دوسرے الفاظ سے مروی ہے کہ میں ایسے ہر مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے ساتھ مقیم ہے۔

اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے دلائل

صحابہ کرامؓ کا تولی کفار (کفار سے دوستی) کے مسئلے میں واضح عقیدہ تھا جس کا کچھ ذکر حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے واقعے میں ہم ذکر کر آئے ہیں مزید صحابہ کے اقوال درج ذیل ہیں:

عبد بن حمید، حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ''تمہیں چوکنا رہنا چاہئے کہیں تم بلا سوچے سمجھے یہودی یا عیسائی نہ بن جاؤ'' اس کے بعد آپ نے سورہ مائدہ کی آیت ۵۱ تلاوت کی جو ہم پہلے باب میں ذکر کر آئے ہیں۔

سیرت کی کتابوں میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور مجاعۃ بن مرارہ کا واقعہ ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو ارتداد کرنے والوں کی سرکوبی پر مقرر کیا تھا، جب اس تحریک کو دبا لیا گیا تو گرفتار ہونے والوں میں مجاعۃ بن مرارہ بھی تھے جو مرتدین کے ساتھ شامل تھے۔ مجاعۃ نے بہت کہا کہ میں نے مسیلمہ کذاب کی اتباع نہیں کی تھی، میں بدستور مسلمان ہوں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا پھر تم ان کے لشکر سے نکل کر ہمارے لشکر میں آ کر شامل ہو جاتے جیسے ثمامہ بن اثال نے کیا تھا تو تمہارا عذر قابل قبول تھا۔ مسیلمہ کے لشکر میں شمولیت ہی کو خالد رضی اللہ عنہ نے دلیل بنایا اور مجاعۃ بن مرارہ کے ساتھ مسیلمہ کے دوسرے ساتھیوں کی طرح معاملہ رکھا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد میں مسیلمہ، سجاح اور طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، جن کے اوپر ارتداد کا حکم تمام صحابہؓ نے لگایا تھا اور ان سے جنگیں لڑی گئیں۔ ارتداد کے فتنے کی سرکوبی کا جو طریقہ اصحاب رسول نے اختیار کیا تھا وہ اسی اصول کی بناء پر تھا اگرچہ مانعین

زکوٰۃ اور مدعیان نبوت کی صفوں میں جو لوگ شامل تھے وہ سب کے سب پہلے مسلمان ہی تھے۔ پھر ان میں کئی لوگ مجبوراً یا قبیلے کے دباؤ یا اپنی سماجی مقام کی وجہ سے یا محض تماش بین کی حیثیت سے شامل ہوئے اور بے شمار لوگ یا تو مجبور تھے یا پھر کم علم جس کی دلیل یہ ہے کہ جب فتنہ ارتداد فرو ہو گیا تو بے شمار لوگ دوبارہ مسلمان ہو گئے تھے۔ خود طلیحہؓ نے بھی توبہ کر لی تھی، اور باقی زندگی اسلام کی بے مثال خدمت کر کے اپنی توبہ خالص ہونے پر دلیل قائم کر گئے تھے۔ لیکن ارتداد کی جنگوں میں جو شخص مرتدین کی صف میں شامل تھا اس پر وہی احکام لگائے گئے تھے، خواہ جنگ کے دوران میں یا گرفتاری کے بعد، جو تمام دوسرے مرتدین پر لگائے گئے تھے۔ اور ان کا کوئی عذر قبول نہیں کیا گیا جس طرح حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ استثناء کیا گیا تھا کیونکہ نبی علیہ السلام نے ان کے لئے رعایت، اللہ کے حکم وحی کی وجہ سے کی تھی۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''من جهز غازيا فقد غزى'' (صحیح البخاری) ''جس نے کسی مجاہد کو ساز و سامان سے لیس کیا گویا اس نے خود جہاد کیا۔'' اسی طرح آپ کی ایک اور حدیث میں ''ایک تیر سے تین قسم کے گروہ جنت میں داخل کرے گا۔ تیر بنانے والا، اگر اس کا مقصد اس تیر کی تیاری میں خیر تھا، تیر انداز اور تیر تھمانے والا''۔

ان احادیث سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ جو اس کے برعکس جہاد کے کام میں روڑے اٹکائے یا مسلمانوں کی شکست میں تعاون کرتا رہا اپنے اس تعاون میں دشمن کا شریک کار سمجھا جائے گا، یعنی اس کا شمار طاغوت کے راستے میں لڑنے والے گروہ میں ہوگا۔

شریعت کے احکام سے جو فقہاء نے صحیح ترین قول کی توثیق کی ہے وہ یہ ہے کہ بالفعل جرم کرنے والا اور جرم میں تعاون کرنے والے شخص کا ایک ہی حکم ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''اگر غارت گر گروہ کی صورت میں ہوں، ان میں سے کوئی ایک بالفعل کسی آلہ سے قتل کرے اور دوسرے اس کی حفاظت یا مدد کر رہے ہوں تو فقہاء کرام اس

کی بات ایک سے زائد رائے رکھتے ہیں، ایک گروہ صرف بالفعل قتل کرنے والے پر حد لگانے کا حکم لگاتا ہے اور دوسرے اس کے ساتھی اپنے جرم کی سنگینی کے لحاظ سے تعزیر کے مستحق ہوں گے۔ ائمہ کی کثرت سب پر حد لگانے کا حکم کرتی ہے خواہ ان کی تعداد ایک سو ہے، خلفائے راشدین نے بھی دونوں کا ایک حکم لگایا تھا چنانچہ عمر رضی اللہ نے قتل کرنے والے اور نگرانی کرنے والوں کو قتل کر دیا تھا، قتل کرنے والا دوسروں کے تعاون سے قتل کرنے پر قادر ہوا تھا بصورت دیگر وہ قتل نہیں کر سکتا تھا"۔

اسی طرح نبی علیہ السلام نے غزوۂ بدر میں شریک لشکر اور اس کے کسی ایک دستے کی کاروائی میں سب کو برابر کا شریک رکھا ہے اگرچہ وہ دستہ امیر لشکر کے حکم سے کوئی کام کرے تو غنیمت میں اس کا حصہ زیادہ ہوتا ہے لیکن یہ دستہ جو بھی غنیمت حاصل کرتا ہے وہ اس دستے کا زائد حصہ منہا کر کے باقی تمام سپاہ پر تقسیم کی جاتی ہے۔

غزوۂ بدر میں نبی علیہ السلام نے طلحہ رضی اللہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی غنیمت میں سے برابر کا حصہ دیا تھا حالانکہ وہ گھمسان کے رن میں شریک نہیں تھے، بلکہ نبی علیہ السلام نے انہیں ایک اور کام سونپ دیا تھا۔

اور اسی طرح اگر مسلمانوں کے دو گروہ کسی باطل کام پر برسرِ پیکار ہو جائیں مثلاً وطنیت یا قومیت کے جذبے کے تحت تو دونوں گروہ مع اپنے شرکاء کے جہنم میں جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ جائیں تو دونوں آگ میں جائیں گے" پوچھنے والے نے پوچھا قاتل کے دوزخ میں جانے کا جواز ہمیں سمجھ میں آتا ہے مقتول کس جرم میں سزا پائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ بھی تو اسے قتل کرنے کی کوشش کر رہا تھا"۔

اسی طرح اگر کوئی قافلہ یا گروہ کسی کو قتل کر دے یا کسی کی کھیتی اور مال خراب کر دے تو پورے قافلے یا گروہ کو دیت یا نقصان کا جو بھی تخمینہ لگے ادا کرنا ہوگا خواہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس

فعل کے اصل ذمہ دار کون ہیں۔

تاریخ اسلامی سے دلائل

تاریخ اسلامی میں ایسی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں جن میں ایک مدعی اسلام نے کفار کے ساتھ تعاون کیا اور اس وقت کے علماء کرام نے اس کا حکم واضح کیا:

سب سے پہلا واقعہ غزوۂ بدر ہے جس میں مشرکین کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل تھے جو در پردہ اسلام لا چکے تھے لیکن مشرکین کے لشکر میں وہ موجود تھے جس سے ان کی تعداد بڑی لگتی تھی اور بعض معززین کی شمولیت سے مشرکین کے لشکر کی سماجی اور سیاسی حیثیت میں بھی اضافہ ہوا تھا۔

سورہ نساء آیت نمبر ۱۹۷ انہیں اشخاص کے متعلق نازل ہوئی تھی:

﴿ان الذين توفٰهم الملائكة ظالمي أنفسهم قالوا فيم كنتم ، قالوا كنا مستضعفين في الأرض ، قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها ، فأولئك ماوٰهم جهنم ، وساءت مصيراً﴾ ۔

"جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور اور مجبور تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے"۔

بابک خرمی نے ۲۰۱ ہجری میں مشرکین کی سرزمین میں جا کر مسلمانوں کے خلاف جمعیت اکٹھی کر کے جنگ شروع کی اس کے بارے میں امام احمد نے فرمایا: "وہ مشرکین کی سرزمین میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کر رہا ہے اور ایسے آدمی کا حکم ارتداد کا ہے"۔ (کتاب الفروع)۔

معتمد بن عباد اسپین میں طوائف الملوکی کے زمانے میں اشبیلیہ کا حاکم تھا اور اس نے مسلمانوں

کے خلاف فرانس سے مدد لی تھی، مالکی علماء نے اس کے ارتداد کا فتویٰ صادر کیا تھا (استقصاء)۔

امام ابن کثیرؒ ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں کہ مغیث عمر بن عادل نے ہلاکو سے ساز باز کی اور مسلمانوں پر حملے کے لئے اس شرط کے ساتھ اکسایا کہ وہ صوبہ مصر کی حکمرانی سونپ جانے کا وعدہ دیا جائے۔ اس پر ظاہر بیبرس نے جو اس وقت حاکم تھا، فقہاء سے ایسے شخص کا حکم پوچھا تو انہوں نے اس کے ارتداد اور قتل کا فتویٰ دیا، جس کی دلیل پر اسے قتل کر دیا گیا تھا۔

امام ابن تیمیہؒ نے ۷۰۰ ہجری میں ان مسلمانوں کے اوپر ارتداد کا حکم لگایا تھا جنہوں نے شام پر حملے میں تاتاریوں کے ساتھ تعاون کیا تھا۔

۹۸۰ ہجری میں محمد بن عبداللہ، مراکش کے حاکم نے اپنے چچا مروان کے خلاف پرتگال سے مدد لی تھی، مالکی فقہاء نے اس کے مرتد ہونے کا فتویٰ دیا تھا (استقصاء)۔

تیرہویں ہجری کے شروع میں دعوت توحید کو دبانے کے لئے نجد کے علاقے پر کافروں نے حملہ کیا تھا جس کی پشت پناہی بعض مسلمانوں نے کی تھی۔ علمائے نجد نے ایسے لوگوں پر ارتداد کا حکم لگایا تھا، شیخ سلیمان بن عبداللہؒ نے کتاب ''دلائل'' میں اکیس دلیلیں ان کے مرتد ہونے پر تحریر کی ہیں۔

تیرہویں صدی کے نصف آخر میں پھر اہل نجد پر توحید کی دعوت دبانے کے لئے اسی طرح کا حملہ کیا گیا جس پر شیخ حمد بن عتیق نے کتاب لکھی اور اس میں ان مسلمانوں پر ارتداد کا حکم لگایا جو کفار کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ کتاب کا نام ''سبیل النجاۃ'' ہے۔

چودہویں صدی ہجری میں الجزائر کے جن قبیلوں نے فرانس کی فوجوں کا ساتھ دیا تھا ان پر ارتداد کا حکم شمالی افریقہ کے مفتی ابوالحسن تسولی نے لگایا تھا جسے امیر عبدالقادر الجزائری نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

شیخ احمد شاکر نے مصر پر برطانیہ اور فرانس کے مشترکہ حملے کے دوران ان مسلمانوں پر

ارتداد کا حکم لگایا تھا جنہوں نے مغرب کا ساتھ دیا تھا، ملاحظہ کریں ''کلمہ حق''۔

ایک صدی قبل جب یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کرلیا تو جامعہ ازہر کے دارالافتاء سے ان مسلمانوں کے کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا تھا جنہوں نے یہودیوں کے ساتھ تعاون کیا تھا، دارالافتاء کی سربراہی اس وقت عبدالمجید سلیم کے پاس تھی۔

اشتراکی انقلاب کا ساتھ جن مسلمانوں نے دیا تھا ان کے کفر کا فتویٰ سعودی عرب کے مفتی اعظم عبدالعزیز بن باز نے صادر کیا تھا۔

اہل علم کے اقوال

حنفی مذہب: احکام قرآن میں ابوبکرؒ جصاص سورہ توبہ آیت نمبر ۲۳ میں لکھتے ہیں:

﴿یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا آباؤکم واخوانکم أولیآء ان استحبوا الکفر علی الإیمان ، ومن یتولھم منکم فأولئک ھم الظالمون﴾ .

''اے اہل ایمان! اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مدمقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو اور جو ان سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں''

اس آیت میں کفار سے دوستی ان کی حمایت یا ان سے مدد لینا یا انہیں مسلمانوں کے امور سونپنا ان تمام امور سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور کافروں سے برأت واجب قرار دی گئی ہے اور اسی طرح ان کی عزت افزائی کرنا بھی حرام ہے، خواہ وہ کسی مسلمان کے والدین ہوں یا بھائی بند، منافقین سے مومنین کی شناخت کے لئے قرآن نے اسی موالاتِ کفار کو ہی پیمانہ رکھا ہے۔

جب کہ آل عمران آیت نمبر ۲۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿لا یتخذ المؤمنون الکافرین أولیآء من دون المؤمنین ، ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء الآ أن تتقوا منھم تقٰۃ ، ویحذرکم اللہ نفسہ ، والی اللہ المصیر﴾ .

''مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا

اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں، ہاں اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرلو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف (تم کو) لوٹ کر جانا ہے۔''

''الاّ أن تتقوا منهم تقة'' یعنی ان لوگوں کے لئے استثناء ہے جن کی جان جانے یا جسمانی معذوری کا ڈر ہو تو ان کے لئے ظاہری طور پر مودّت کا اظہار کرنے کا جواز ہے اور یہی جمہور مفسرین کی رائے ہے۔

عبداللہ بن احمد نسفی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۱ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''کافروں کی مدد کرنا اور ان سے مدد لینا دونوں حرام ہیں۔ اسی طرح انہیں بھائی بنانا یا ان کے ساتھ رہائش اختیار کرنا جیسی مسلم معاشرے میں ہوتی ہے (یعنی گھل مل کر رہنا بھی) حرام ہے۔ **ومن یتولهم منکم فانه منهم** یعنی اس کا حکم بھی انہیں کی طرح ہے''۔

قاضی محمد احمد عمادی آیت کے اس جملے کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''کسی کے دین میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے محبت اور دوستی رکھتا ہو۔ ان آیات میں مومنین کی ظاہری مودّت کو سختی اور پوری شدت سے منع کیا گیا ہے خواہ دل میں محبت بھی نہ ہو اور ان **الله لا يهدى القوم الظالمين** سے مراد ہے کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے حال کو اپنی رحمت سے محروم کردیتا ہے اور وہ کفر اور گمراہی میں گر جاتے ہیں''۔

مالکی مذہب: امام قرطبیؒ آیت کے سابقہ جملے کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یعنی جو مسلمانوں کے خلاف کفار کی قوت بڑھاتا ہے اس کا حکم کفار کی طرح ہے اسے مسلمانوں کی وراثت نہیں مل سکتی کیونکہ وہ مرتد ہو کر مرا۔ اگر چہ یہ آیات عبداللہ بن ابی کے لئے نازل ہوئی تھیں مگر ان کا حکم تا قیامت باقی رہے گا''۔

مالکی مذہب کے ایک جلیل القدر امام برزلیؒ لکھتے ہیں کہ امیر المسلمین یوسفؒ بن تاشفین کے خلاف ابن عباد نے فرانس سے مدد حاصل کی تھی تو مالکی مذہب کے تمام فقہاء نے اس

کے مرتد ہونے کا فتویٰ صادر کیا تھا۔

احمد بن علیش سے ان مسلمانوں کا حکم دریافت کیا گیا جن کے علاقوں پر کفار کا قبضہ ہو گیا تھا اور وہ پھر بھی انہی مفتوحہ علاقوں میں کفار کے زیر تسلط رہنا اختیار کرتے ہیں، دوسرے علاقوں کی جانب ہجرت نہیں کرتے۔

علامہ علیشؒ نے اپنے طویل فتوے میں جن اہم امور پر روشنی ڈالی تھی ان میں سے ایک پیراگراف ہمارے موضوع کے متعلق بھی تھا وہ لکھتے ہیں:

''ایسی صورت صدر الاسلام میں مفقود تھی اور نہ ہی ائمہ اربعہ کے زمانے میں اس طرح کی کوئی صورت پیش آئی تھی۔ اس لئے ان ائمہ کرام یا ان سے پہلے تابعین اور صحابہ کرام نے ایسی صورت پر کوئی مفصل فتاوی صادر نہیں کئے تھے''۔ عیسائیوں کے ساتھ گھل مل کر رہنے کی صورت پانچویں صدی ہجری میں اندلس کے بعض علاقوں میں سامنے آئی تھی جیسے جزیرہ صقلیہ۔ اس وقت مفتیانِ عصر سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تھا، انہوں نے ایسے مسلمانوں کے احکام نبی علیہ السلام کے زمانے کے ان مسلمانوں کی طرح بیان کئے تھے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ علامہ علیش کہتے ہیں: ''یعنی ان کے احکام وہی تھے جو اہل کفر کے تھے اللہ کے دشمنوں کا سا لباس، رہن سہن، ثقافت اور گھل مل کر رہنا اور اپنی الگ سے واضح شناخت نہ رکھنا اور اس طرح ہجرت نہ کرنا جو ان پر فرض ہے انہیں کفار کے حکم میں داخل کر دیتا ہے''۔

شافعی مذہب: امام بیضاوی سورہ مائدہ کی آیت ۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قول اللہ جل شانہ ''**ومن یتولهم منکم فانه منهم**'' ایسا شخص انہی کے زمرے میں شمار ہوگا۔ کفار سے الگ تھلگ ہو کر رہنا واجب ہے جیسے کہ نبی علیہ السلام نے آتش پرستوں کے علاقے میں رہنے والے بادیہ نشینوں سے کہا تھا کہ تم ان کے محلوں سے اتنی دور ہو جہاں ان کا آتش کدہ اور اس کی آگ

تمہیں دکھائی نہ دے۔ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی تھی اور منافق کا حکم معلوم ہے۔

حافظ ابن حجر "**اذا أنزل اللہ بقوم عذاباً اصاب العذاب من کان فیھم ثم بعثوا علی أعمالھم**" حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فتح الباری میں لکھتے ہیں: کافروں اور ظالموں سے الگ تھلگ رہنا بھی اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے، ان کے ساتھ گھل مل کر رہنا ہلاکت میں پڑنے کے مترادف ہے، یہ حکم تو اس شخص کا ہے جو کفار سے کسی قسم کا تعاون نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے کسی کام پر راضی ہوتا ہے بلکہ وہ ایک طرح اپنی آزاد زندگی گزار رہا ہوتا ہے، ہاں اگر اس نے کفار کے ساتھ تعاون کیا یا ان کے اقدامات پر رضامندی ظاہر کی تو پھر اس کا حکم اور کفار کا حکم ایک ہے۔

علامہ عبدالباری الیمانی تیرہویں صدی کے ایک جلیل القدر امام تھے ان سے سوال کیا گیا کہ مسلم ممالک میں رہنے والے بعض مسلمان بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم تو عیسائیوں کی رعایا ہیں اپنی اس وابستگی کے اظہار کے لئے وہ اپنی تجارتی کشتیوں پر انہیں ملکوں کے پرچم لہراتے ہیں ،ان کے بارے میں شرعی موقف کیا ہے؟

جواب: اگر مذکورہ بالا طرز عمل جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے ہے یعنی ان کے دلوں میں اسلام سب ادیان سے برتر اور اعلیٰ ہونے کا عقیدہ راسخ ہے اور اسی طرح اسلامی شریعت کو باقی سب شریعتوں سے محکم ہونے کا عقیدہ بھی رکھتے ہوں اور سوال میں مذکورہ اپنے افعال کی توجیہہ کفار کی عظمت اور ان کے برتر ہونے کی وجہ سے نہ کرتے ہوں تو وہ بدستور مسلمان سمجھے جائیں گے اور مسلمانوں کے احکام ان پر لاگو ہوں گے۔ اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں جس کی انہیں سزا بھی دی جانی چاہئے جو عبرتناک ہو، مگر حد تک نہ پہنچے۔ لیکن اگر وہ اسلام کے احکام سے واقفیت رکھتے ہوئے یہ کام کرتے ہیں تو ان سے توبہ کروئی جائے اگر وہ اپنے طرز عمل کو ترک کردیں اور اللہ کی طرف لوٹ آئیں تو ٹھیک بصورت دیگر وہ اسلام کے دائرے سے نکل گئے،

اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ کفر کی تعظیم کرتے ہوں تو پھر مرتد ہیں اور ان پر مرتدین کے احکام لاگوں ہوں گے۔

حنبلی مذہب: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس مسئلے پر اپنے فتاویٰ میں مفصل روشنی ڈالی ہے جس کے چند اقتباسات گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں، تاتاریوں کے بارے میں انہوں نے فتویٰ دیا تھا کہ مسلمانوں کی سپاہ سے یا عام شہریوں سے جو شخص تاتاریوں کے کیمپ میں شامل ہوگا اس کا حکم وہی ہے جو تاتاریوں کا ہے۔

حنبلی مذہب میں کفار کے موالات کے احکامات بڑی تفصیل سے موجود ہیں جو ہم آخری باب میں ذکر کریں گے۔

ظاہری مذہب: ابن حزم محلی میں سورہ مائدہ آیت نمبر ۵۱ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا حال بتاتا ہے جو کفر کرنے والوں کے ساتھ اپنے آپ کو مصائب سے بچانے کے لئے دوستی کے لئے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔ دوسری طرف ایمان لانے والے ان کفر کرنے والوں سے کہتے ہیں **أھؤلاء الذین أقسموا باللہ جھد أیمانھم انھم لمعکم** ان لوگوں کے اعمال اس لئے برباد ہوگئے کہ انہوں نے کفر کرنے والوں کی طرف جھکاؤ کیا تھا اس لئے وہ کفار ہوگئے"۔

اپنے فتوے میں لکھتے ہیں: "جو دارالکفر کے بلاک میں جا کر شامل ہوجائے جو دارالحرب بھی ہو، اور یہ کام اس نے اپنی آزاد رائے سے کیا ہو، اور وہ مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہو تو وہ پکا مرتد ہے اور مرتد کے سارے احکام اس پر لاگو ہوگئے۔ اسے قتل کرنا واجب ہوگا جب بھی اس کا موقع ملے، اور اس کا مال، غنیمت میں شمار ہوگا، اس کا نکاح فسخ ہوجائے گا کیونکہ نبی علیہ السلام کسی مسلمان سے برأت کا اظہار نہیں کرتے جیسا کہ ایسے شخص کے بارے میں آپ ﷺ برأت کرتے تھے"۔

مزید فرمایا کہ اگر دارالحرب میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوتا ہے یا کفار کے لئے کوئی فریضہ انجام دیتا ہے جیسے سروسز یا دفتری امور تو وہ کافر ہے، اگر دارالحرب میں رہنے کی وجہ دنیا کمانا ہے اور وہ گویا ان کا ذمی بن کر رہتا ہے، اس کے لئے مسلم اکثریت والے علاقوں میں آنا ناممکن ہے تو ایسی صورت میں بھی وہ کفر سے دور نہیں ہوتا، دنیا کمانا ایسی صورت میں قابل عذر نہیں ہے"۔

اسی طرح "ومن یتولھم منکم" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ انہی کی طرح کافر ہے اور اس میں مسلمانوں کے درمیان دو آرائیں نہیں پائی جاتیں۔

دیگر آئمہ اجتہاد اور عصر حاضر کے علماء کرام کے اقوال

امام ابن جریرؒ اپنے وقت کے ایک مجتہد امام تھے ان کے مذہب نے باقاعدہ عوام میں رواج پالیا تھا اور انہیں جریر کہا جاتا تھا۔ ابن جریرؒ کے تفسیری اقوال ہم گزشتہ صفحات میں سورہ آل عمران آیت ۲۸ کی تفسیر میں ذکر کر آئے ہیں۔

محمد بن علی شوکانیؒ اپنی تفسیر میں سورہ آل عمران آیت نمبر ۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
"آیت میں نہی سے مراد انہیں اس طرح کا دوست بنانا ہے جیسے گھل مل کر رہنا، نصرت اور تعاون کرنا اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیل خود بیان کی ہے"۔

"بعضھم أولیآء بعض" یعنی یہودی دوسرے یہودی کا دوست ہوتا ہے اور عیسائی اپنے دوسرے ہم مذہب کا دوست ہوتا ہے، یہ مراد نہیں کہ یہود عیسائیوں کے دوست ہوتے ہیں کیونکہ ان دونوں مذاہب میں شدید اختلاف اور عداوت پائی جاتی ہے اگرچہ ان دونوں ملتوں میں سخت اختلاف ہے۔

آیت کا مصداق یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کے خلاف جن کی دوستی ہوتی ہے وہ کفار کے طریقہ پر ہوتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اس مشابہت سے منع کیا گیا ہے تا کہ وہ ان

کے زمرے میں شمار نہ ہوں۔ آیت کا جملہ "ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین" سے مراد ہے کفر میں پڑنے کی وجہ سے اللہ انہیں ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ کفار سے موالات ایسا ظلم ہے جو کفر کو واجب کر دیتا ہے۔

شیخ جمال الدین قاسمی سورہ مائدہ کی محولہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "وہ کفار کے گروہ میں سمجھا جائے گا اور اس کا حکم وہی ہے جو کفار کا ہے خواہ وہ اپنے تئیں یہ سمجھتا رہے کہ اس کا دین اہل کتاب سے الگ ہے"۔

محمد رشید رضا تفسیر منار میں لکھتے ہیں: "فرانس نے تیونس پر قبضہ کیا ہوا ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے فرانس کی شہریت اختیار کرنا حرام ہے اور یہ ارتداد ہے، کیونکہ وہ اپنی رضامندی سے شہریت اختیار کرتا ہے بلکہ اس کے حصول کے لئے بھاگ دوڑ اور حکومت فرانس کو شہریت اختیار کرنے کے لئے حکومتی مقرر کردہ معاوضہ بھی ادا کرتا ہے اس طرح وہ اپنے مال سے فرانس کی طاقت میں تو اضافہ کرتا ہی ہے لیکن اگر حکومت فرانس اپنے کسی مسلمان شہری کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر بھیجے تو اسے اس شہریت کی وجہ سے حکم بھی ماننا ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت حکومت لازماً اسے طلب کر سکتی ہے اس قسم کی شہریت کو حلال سمجھنا اجماعاً کفر ہے"۔

جامع ازہر کے دارالافتاء سے فلسطین کے خلاف یہودیوں کی مدد کرنے والے کا حکم پوچھا گیا۔ دارالافتاء کے طویل فتوے سے چند اقتباسات:

"ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو مسلمانوں کی جماعت کا فرد سمجھتا ہے اگر وہ ان دشمنوں کی مدد اور تعاون کرے تو وہ اہل ایمان میں شمار نہیں ہوتا، اس طرح وہ مسلمانوں کی تنظیم سے نہ صرف لاتعلق ہو جاتا ہے بلکہ وہ ان کے خلاف جنگ میں شریک ہو جاتا ہے، مسلمانوں کے دین سے نکل جاتا ہے اس طرح وہ شدید ترین فعل سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھلی دشمنی کا اعلان کرتا ہے۔ بلاشبہ جو ایسا کام کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمے سے کوئی بھی چیز پر باقی نہیں

رہتا۔ اسلام اور مسلمان اس سے بری ہیں، وہ اپنے اس کام سے اعلان کر دیتا ہے کہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے نہ اس کے دل میں مسلمان ملکوں کا احترام ہے ۔جس شخص پر یہ بات واضح ہوگئی اور اس کے باوجود یہودیوں سے تعاون جاری رکھتا ہے تو وہ دین اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے۔ اس کا زن وشوئی کا تعلق ختم کروایا جائے گا۔ بیوی کا اس شخص سے رابطہ کرنا حرام ہوگا۔ اس کا نماز جنازہ مسلمان نہیں پڑھائیں گے اور وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا جائیگا۔ مسلمان اس سے اپنے تعلقات منقطع کر دیں اسے ''السلام علیکم'' نہ کہیں۔ بیمار پڑے تو اس کی عیادت نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ وہ توبہ نہیں کر لیتا اور اس کا اثر اس کی زندگی پر مرتب نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک اس کا حکم مرتد کا حکم رہے گا۔

احمد محمد شاکر اپنے طویل فتویٰ میں لکھتے ہیں جو ''کلمہ حق'' کے نام سے مطبوع ہو چکا ہے۔ یہ فتویٰ مصر کے مسلمانوں کے لئے خاص طور پر عرب و دیگر مسلمانوں کے لئے عام طور پر تحریر کیا جارہا ہے۔ اس فتوے کا عنوان ہے ''فرانس اور برطانیہ کے مسلمانوں پر استعمار کے دوران جو مسلمان ان سے تعاون کرے اس کا کیا حکم ہے؟''۔

انگریزوں سے کسی قسم کا تعاون خواہ اس کی نوعیت کم ہو یا زیادہ، بدترین ارتداد ہے اور واضح ترین کفر ہے، جس میں کسی قسم کے عذر کو قابل التفات نہیں سمجھا جائے گا اور نہ کسی قسم کی تاویل کا موقع دیا جائے گا۔ اس کا یہ حکم نہ وطنی عصبیت نہ سیاسی وابستگی اور نہ منافقانہ چاپلوسی کی وجہ سے منسوخ ہو سکتا ہے۔ خواہ یہ تعاون انفرادی طور پر پیش کیا جائے یا حکومتی یا سرکردہ افراد پیش کریں، یہ سب کے سب کفر و ارتداد میں برابر کے شریک ہوں گے۔ سوائے جاہل اور خطا کار کے جس نے مرنے سے پہلے اس کا تدارک کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرنے کا اسے موقع فراہم ہو گیا اور باقی زندگی اس نے مومنین کی طرز پر گزاری تو امید ہے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرے۔ بشرطیکہ یہ خالص وجہ اللہ کے لئے توبہ کی گئی ہو، نہ کہ حکومت کی ایماء پر اور نہ کسی سیاسی مقصد کے لئے۔

مجھے یقین ہے کہ اس میں انگریز کے خلاف جہاد کے وجوب اور تعاون کرنے والے کے مرتد ہونے کا مفصل اور عام فہم جواب دے دیا ہے جسے عام عربی دان طبقہ سمجھ سکتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ان سطور کو پڑھنے کے بعد قاری اس بدیہی حکم کو سمجھ لے گا جو کسی دلیل کا بھی محتاج نہیں۔ فرانس کا حکم بھی برطانیہ کا سا ہے، تمام مسلمانو ں کے لئے، خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں بستے ہوں۔ فرانسیسیوں کی مسلمانوں سے نفرت اور اسلام کو مٹانے میں ان کی عصبیت اور اسلام سے ان کی عداوت انگریزوں سے کئی گناہ زیادہ ہے۔ بلکہ وہ اپنی عصبیت اور بغض میں جنونی ہوتے ہیں، وہ ہر اس جگہ مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہیں جہاں وہ طاقت پکڑتے ہیں اور ہمارے مسلمان بھائیوں پر ایسے مظالم کرتے ہیں جس کے سامنے برطانیہ کے مظالم بھی جواب دے جاتے ہیں۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کا قتل کسی جگہ بھی کرنا حلال ہے ان کے مال کو لوٹنا بھی حلال ہے کسی مسلمان کے لئے بھی خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں رہتا ہو، انگریزوں اور فرانسیسیوں سے تعاون کرنا حرام ہے، اس تعاون سے وہ مرتد اور دین اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ خواہ اس تعاون کی نوعیت کسی بھی قسم کی کیوں نہ ہو۔'' دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

خبردار! ہر مسلمان کو جان لینا چاہئے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں رہتا ہو، مسلمان پر جبر کرنے والے کسی کافر دشمن اسلام کے ساتھ جس نے تعاون کیا خواہ وہ انگریز ہو یا فرانسیسی یا ان جیسے کوئی اور کافر اس تعاون کی نوعیت جس قسم کی ہو، نہ صرف یہ بلکہ اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا اور قوت اور قدرت کے باوجود ان سے نہیں بھڑا یا جو کچھ وہ کرنے پر قادر ہے وہ نہیں کرتا، اگر کفار کی نصرت محض اپنی زبان ہی سے کرتا ہو جو اس قسم کے کسی کام کا مرتکب ہوگا اس کی نمازیں باطل ہیں اس کی تینوں قسم کی طہارت باطل ہے اس کا تیمم کرنا باطل ہے اس کے روزے خواہ فرضی ہوں یا نفلی باطل ہیں ح اس کا حج کرنا باطل ہے اس کی ہر قسم کی عبادت باطل ہے نہ صرف اس کا ثواب میں کوئی حصہ نہ ہوگا بلکہ الٹا اس پر گناہ کا بار پڑتا جائے گا۔

خبردار! ہر مسلمان جان لے، اگر وہ اس راستے پر چل نکلا تو اس کے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے۔ نہ صرف اس ارتداد کے بعد جو وہ عبادت کرے گا بلکہ اس کی پہلی زندگی کی عبادت بھی غارت ہو جائے گی، ایمان کسی بھی عبادت کی قبولیت کے لئے شرط ہے، یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جسے عام مسلمان بھی اچھی طرح جانتا ہے اور یہ مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین﴾ [المائدہ : ۵] . اور جس کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان کا وصف بیان کرتے ہوئے سورہ بقرہ آیت ۲۱۷ میں کہتا ہے: ''وہ تم سے لڑتے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں اس دین (اسلام) سے پھیر لے جائیں (اور یہ خوب سمجھ لو کہ) تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا اس کے اعمال دنیا و آخرت دونوں ہی ضائع ہو جائیں گے، ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے''۔

اسی طرح سورہ مائدہ کی آیت ۵۱ تا ۵۳ دلالت کرتی ہیں۔ ہر مسلمان مرد و عورت خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لے، کفار سے تعاون کر کے اپنے دین سے یکسر نکل جانے والے کا حکم جان لے۔ اس کا مسلمان عورت سے نکاح باطل ہے جو کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا، نکاح کا کوئی حکم اس پر صادق نہیں آ سکتا، اس کی اولاد، جائز اولاد نہیں ہوگی، نہ اسے والدین کی میراث ملے گی، جو پہلے سے شادی شدہ تھا اس کا نکاح فسخ ہو گیا، اب اگر یہ مرتد دوبارہ توبہ کرتا ہے اور دین میں لوٹ آتا ہے تو خواہ مرد تھا تو اس کا فسخ شدہ نکاح دوبارہ بحال نہیں ہوگا۔ اور اگر عوت تھی تو اس کا نکاح بھی بحال نہیں ہوگا، خواہ توبہ کرنے کے بعد وہ مسلمانوں سے مل کر دشمنوں سے برسرپیکار ہی کیوں نہ ہو جائے، اسے دوبارہ نئے نکاح سے عقد زواج کرنا ہوگا۔

تمام مسلمان خواتین پر فرض ہے کہ وہ کسی مرد سے نکاح کرنے سے پہلے اس بات کا پورا اطمینان کر لیں کہ جن سے ان کا عقد طے پا رہا ہے وہ اللہ کے دشمنوں سے تعاون کرنے والا تو نہیں ہے، جس کا پہلے سے ایسے کسی شخص سے نکاح ہو چکا ہے اور اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس شخص پر حرام ہو چکی ہے اور اس کا اب ایسے شخص کے ساتھ رہنا باطل ہے وہ اس کی زوجہ نہیں رہی، جس عورت کو اسلام کے اس عقیدے کا علم تھا یا ہو گیا ہے اور اس کے باوجود وہ ایسے کسی شخص سے نکاح کرتی ہے یا نکاح کرے گی تو اس کا حکم بھی مرتدہ کا ہے، معاذ اللہ ہرگز کوئی مومنہ علم آنے کے بعد ایسی حالت میں نہیں رہے گی۔

واللہ! میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کر رہا ہوں، ملکی مقننہ خواہ اس قسم کا کوئی قانون پاس کرے یا نہ کرے، مسلمان کے احکام ملکی قانون سازی تک ملتوی نہیں ہوا کرتے، دوسرا یہ کہ ملکی قوانین میں عموماً چور راستے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام میں حجت بازی اور قیل وقال سے یہ حکم بدلا نہیں جا سکتا۔ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہر وقت اور ہر زمانے میں واجب ہے اور واجب رہے گا۔ تمام افراد اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی اس ذمہ داری پر جواب دہ ہوں گے۔ ہر مسلمان نے دین کا کوئی نہ کوئی گوشہ مضبوط کیا ہوتا ہے، ایسا نہ ہو کہ اسلام پر کوئی آفت اسی کی غفلت سے آن پڑے۔

یاد رکھیں! فتح و کامرانی اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ اس کی پشت پناہی کرتا ہے جو اللہ کا ساتھ دینے والے ہوتے ہیں۔

۱۳۷۶ ہجری میں مصر کے بعض مفتیان کرام سے پوچھا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو مسلمانوں کے ملک کے خلاف کسی غیر اسلامی ملک کی مدد کرتا ہے؟ دارالافتاء کے سرکردہ ترین علمائے کرام کا فتویٰ تھا کہ وہ مرتد ہے۔ ان علمائے کرام میں محمد ابوزہرہ، عبدالعزیز، مصطفیٰ زید اور محمد جیسے جلیل القدر حضرات شامل تھے۔ (بحوالہ مجلہ اداء الاسلام)۔

محمد امین شنقیطی ''اضواء البیان'' میں قرآن کی متعدد آیات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

،ان آیات قرآنیہ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کفار سے موالات اپنے ذاتی ارادے سے بلا اکراہ کرے وہ انہیں کی طرح کافر ہے۔

عبداللہ بن حمید ''الدرر'' میں لکھتے ہیں، ہر اس مسلمان پر واجب ہے جسے اپنی عافیت کی فکر لگی ہو کہ وہ تولّی اور موالات کے فرق کو پوری طرح سمجھے۔ ہمارے سلف صالحین نے دونوں کے فرق کو بڑے نمایاں انداز سے واضح کیا ہے۔

کفار کی عزت افزائی کرنا، ان کی تعریفیں کرنا اور مسلمانوں کے خلاف ان کی حمایت و نصرت کرنا نیز روزمرہ کی زندگی میں ان سے گھل مل کر رہنا اور ان سے برأت (لاتعلقی) نہ کرنا، یہ تمام اقسام تولّی کفار میں سے ہیں۔ جو اس کا مرتکب ہوگا وہ مرتد ہو جائے گا اور ارتداد کے احکام اس پر لاگو ہوں گے۔ جیسا کہ کتاب اللہ، سنت نبی ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

عبدالعزیز بن باز کے فتاویٰ میں اس عنوان کے تحت ان کا فتویٰ مذکورہ ہے ''جس نے اشتراکی یا کمیونسٹ کی مدد کی، جس نے اس گمراہی میں ان کا ساتھ دیا، ان کے نظریے کو بہتر سمجھا اور اس کے مقابلے میں اسلام کے داعیوں کی مذمت اور عیب جوئی کی وہ کافر ہے اور گمراہ ہے، وہ انہی کے زمرے میں شمار ہوگا جن سے اس نے دوستی لگائی ہوئی ہوگی۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے مسلمانوں کے خلاف کافروں کی حمایت کی اور کسی قسم کا تعاون پیش کیا تو وہ انہی کی طرح کافر ہے، ابن باز نے اس کے بعد اس دلیل کے طور پر سورہ مائدہ آیت ۵۱ اور سورہ توبہ آیت ۲۳ نقل کرتے ہیں۔

موجودہ واقعات پر معاصرین کے فتاویٰ جات

اگلی سطور میں معاصرین علمائے کرام میں سے چند جلیل القدر علماء کے فتاویٰ نقل کیے جاتے ہیں جن میں پوری صراحت سے کہا گیا ہے امریکہ کے افغانستان پر حملے میں جس مسلمان

نے تعاون کیا وہ کافر اور مرتد ہے۔

۲۱ رجب ۱۴۲۲ ہجری حمود بن عبداللہ شعبی نے جو فتویٰ صادر کیا تھا اس کا ترجمہ سپرد قلم ہے:

''مسلمان کے خلاف یہ تمام آئمہ اسلام کا قول ہے قدیم اور جدید دور کے اہل علم یہی حکم لگاتے ہیں، عصر حاضر کے مجدد محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں: مسلمانوں کے خلاف کافروں کی حمایت کفر ہے اور اس سے آدمی ملت اسلامیہ سے نکل جاتا ہے۔ اس کی دلیل سورہ مائدہ کی آیت ۵۱ ہے۔

علامہ عبداللطیف سے ''تولّی'' اور ''موالات'' کا فرق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، تولّی سے کفر لازم آتا ہے، جس کا مرتکب ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ تولّی میں ان کی عزت افزائی، مال و اسباب، قوت یا مشورے سے تعاون فراہم کرتا ہے۔

علامہ احمد محمد شاکر کہتے ہیں کہ کفار کا مقابلہ کرنا اور ان سے جنگ کرنا واجب ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ کسی بھی علاقے کا باشندہ ہو وہ ان سے مقابلہ کرے، اور ان سے برسرپیکار ہو جہاں اسے موقع ملے خواہ وہ کافر وہاں کے عام شہری ہوں یا لڑنے والے فوجی ہوں۔ وہ لکھتے ہیں: ''جہاں تک انگریزوں سے تعاون کا حکم ہے تو وہ ارتداد اور کفر بواح ہے۔ اس میں توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اور نہ کوئی تاویل قبول ہے۔'' حمود بن عبداللہ شعبی نے اس کے بعد علامہ صاحب کے فتوے کا پورا متن نقل کیا ہے جو ہم گزشتہ صفحات میں ترجمہ کر آئے ہیں۔

حمودؒ بن عبد محولہ بالا آئمہ کرام کے فتاویٰ کے بعد اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں:

''لہٰذا جو شخص کافر ملکوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف کوئی تعاون کرے، مثلاً امریکہ جیسے ملک کے ساتھ، تو وہ کافر اور مرتد ہوگا اور امریکہ اور برطانیہ کا دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں پر مشترکہ حملہ ''صلیبی حملہ'' ہے جس طرح اسلام کی تاریخ میں صلیبی جنگیں ہوتی رہی ہیں، بش کے منہ سے ''صلیبی جنگ'' کا لفظ بھی نکلا ہے۔'' علامہ شعیبی کے فتویٰ کے الفاظ یہاں ختم ہوئے۔

۲۰ رجب ۱۴۲۲ ہجری شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر براک نے فتویٰ صادر کیا کہ امریکہ اور برطانیہ کا افغانستان پر حملہ بغیر کسی شک وشبہ کے ظلم اور عدوان ہے اور ''یہ صلیبی حملہ'' ہے جو اسلام پر کیا گیا ہے۔ اسلامی ممالک کا افغانستان کی نصرت اور حمایت نہ کرنا ایک مصیبت عظیم ہوگی۔ اگر الثانیہ ممالک امریکا و اتحادیوں کی حمایت اور تعاون کرتے ہیں تو یہ کفار سے تولی ہے جس کا حکم سورہ مائدہ کی آیت ۵۱ میں مذکور ہے۔ اسی آیت کو دلیل بنا کر آئمہ اسلام نے تولی کفار کو نواقض اسلام (جن سے ایک مسلمان کافر ہو کر ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے) میں شمار کیا ہے۔

۳ رجب ۱۴۲۲ ہجری میں علی بن خطیر نے فتویٰ صادر کیا جس کا ایک اقتباس یہ ہے ''کافروں کی حمایت کے مسئلے پر تفصیلی بحث جزیرہ عرب کے نجدی علماء نے کی ہے اور اسے کفر، نفاق اور ارتداد کہا ہے۔ جس سے آدمی ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے اور یہی عقیدہ درست ہے۔ جس پر قرآن مجید، احادیث رسول اور آئمہ کرام اجماع منعقد ہوا ہے''۔

۳ رجب ۱۴۲۲ ہجری شیخ سلیمان بن ناصر علوان کے فتوے کا ایک اقتباس: ''(مظلوم) مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہونا، ان کی جان و مال، آراء اور ابلاغ عامہ سے تعاون کرنا واجب ہے اور ان سنگین ترین حالات میں انہیں بے یار و مددگار چھوڑنا حرام ہے۔ کفریہ ممالک اسلام کے خلاف ایک دوسرے سے تحالف (مدد و تعاون) کر رہے ہیں۔ کفار سے تو اسلام کے خلاف متحد ہونے کی توقع رکھنی چاہئے، حیرت اس امر پر ہے کہ اسلام کے نام لیوا افغانستان کے حملے میں کفر کے بلاک میں شامل ہو رہے ہیں اور یہ نفاق کی صورت ہے''۔

اس کے بعد علامہ سلیمان بن ناصر علوان سورہ نساء آیت ۱۳۹ اور سورہ مائدہ آیات ۸۰ تا ۸۱ نقل کرتے ہیں۔ آیات سے دلیل لینے کے بعد وہ ملت اسلامیہ کے معتد بہ اماموں کے اقوال سے تولی کفار کے کفر ہونے پر اجماع کا ذکر کرتے ہیں اور سورہ مائدہ کی آیت ۵۱ کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں: ''ومن یتولھم منکم فانه منھم'' اللہ کے دشمنوں کی پشت پناہی سے بڑھ کر تولی

کی بھیانک صورت اور کون سی ہوگی، مسلمانوں کے علاقوں کو تباہ کرنے کے لئے کافروں کو وسائل فراہم کئے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی قیادت کو قتل کرنے کے لئے بھی وسائل فراہم کئے جا رہے ہیں ابن جریرؒ کہتے ہیں: ''مومنین کے خلاف جو ان کی پشت پناہی اور نصرت کرے تو وہ ان کے دین میں اور ان کی ملت میں شمار ہوگا''۔

۲۴ رجب ۱۴۲۲ ہجری شیخ عبدالرحمان بن سعد کے فتوے کا ایک اقتباس: ''اللہ کے دوستوں کے خلاف اللہ کے دشمنوں سے کسی قسم کا کوئی تعاون نواقض اسلام میں سے ہے، جس کا جاننا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ کتاب اللہ، احادیث رسول اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے۔ ہر مسلمان کو آگاہ رہنا چاہئے کہ کہیں وہ دین کے دائرے سے نہ نکل جائے اور اسے اس کا شعور ہی نہ ہو''۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ''بادر و بالأعمال ! فتن
کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مومنا ویمسی کافراً ویمسی مسلماً ویصبح
کافراً یبیع دینه بعض من الدنیا''

یعنی ''نیک اعمال کرنے میں سبقت حاصل کرو عنقریب فتنے در فتنے ہوں گے جیسے سیارہ راتیں ایک پر ایک، صبح کو ایک شخص مومن ہوگا تو شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا، صبح کافر ہو ، مال کی جھلکی پر اپنا دین تج دے گا'' اس حدیث کے بعد سورہ توبہ کی آیت ۲۴ نقل کرتے ہیں:

﴿قل ان کان آباؤکم وأبناؤکم واخوانکم وأزواجکم وعشیرتکم وأموا
ن اقترفتموھا وتجارة تخشون کسادھا ومسکن ترضونھا أحب الیکم من ال
ورسوله وجھاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره والله لا یھدی الق
الفاسقین﴾ .

''کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور جو تم کماتے ہو اور تجارت، جس کے بندے ہونے سے ڈرتے، ہو اور مکانات، جن کو تم پسند کر ہو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو انتظا

یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

۲۹ رجب ۱۴۲۲ ہجری عبداللہ بن محمد غنیمان کے فتوے کا اقتباس: ''مسلمانوں کے خلاف کافرملکوں سے تعاون کرنے والا اس فعل کا مرتکب جو سورہ مائدہ اور کتاب اللہ کے دوسری آیات میں بیان ہوا ہے۔ جس کا فاعل انہی کفار کے زمرے میں شمار ہوتا ہے''۔

۲۸ رجب ۱۴۲۲ ہجری شیخ سفر الحوالی کے فتوے کا اقتباس: ''مسلمانوں کے خلاف کافروں سے تعاون کرنا خواہ تعاون کی کوئی صورت ہو، محض اپنے الفاظ سے ہی ان کی حمایت کرنا کفر بواح اور بدترین نفاق ہے۔ یہ نواقض اسلام میں سے ایک صورت ہے کیونکہ اس طرح اس (مسلم) کا عقیدہ ولاء اور براء پر ایمان نہیں رہتا''۔

یکم شعبان ۱۴۲۲ ہجری بشر بن فہد کے فتوے سے اقتباس: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے کام میں وضاحت سے کہہ دیا ہے کہ کافر ایک دوسرے کے دوست اور مومنین ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ منافقین کی صفت یہ ہے کہ وہ مومنین کے علاوہ کفار سے موالات رکھتے ہیں۔ افغانستان پر امریکہ کے حملے میں کسی قسم کا تعاون کافروں سے موالات کی صورت ہے۔ خواہ یہ تعاون مال، اسلحے، مخبری یا آدمیوں کے ذریعے فراہم کیا جائے۔ موالات کی یہ صورت کفر اور ارتداد ہے جس کا حکم افراد کے لئے بھی ہے اور (تنظیموں و) حکومتوں کے لئے بھی ہے''۔

۱۸ اکتوبر ۲۰۰۱ ہجری مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ اپنے فتوے میں لکھتے ہیں: ''کسی مسلمان کے لئے خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو سرکاری ملازم ہو یا غیر سرکاری اگر اس نے افغانستان پر امریکہ کے حملے میں کسی قسم کا تعاون کیا جو ایک صلیبی حملہ ہے تو وہ مرتد ہوگا''۔

شبہات کا جواب

زیر بحث مسئلہ آئمہ اسلام کے نزدیک ایک اجماعی اور متفقہ مسئلہ ہے جس پر اللہ کا کلام اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث شاہد ہیں۔ اسلامی ذخیرہ کتب میں بے شمار تصنیفات اہل علم کے

اقوال سے بھری پڑی ہیں۔ اس متفقہ مسئلے کو بھی بعض اہل ضلال نزاعی مسئلہ بنانا چاہتے ہیں اور گھٹیا شبہات سے حق کو باطل میں خلط ملط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ شبہات زیر بحث مسئلہ سے متعلق نہیں ہیں اور نہ کبھی اہل علم و رشد نے ان شبہات کو ''تولّی فی الکفر'' کے باب میں ذکر کیا ہے، لیکن ابلاغ عامہ سے زبردستی ان میں وزن پیدا کیا جا رہا ہے اس لئے ہم تمام شبہات پر آئندہ صفحات میں بحث کریں گے۔

حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعے سے اہل ضلال یہ ثابت کرتے ہیں کہ کفار سے تعاون کرنا کفر نہیں ہے، اس واقعے پر ہم کچھ بحث گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں، اس واقعہ سے دراصل یہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں جو بحث گزر چکی ہے اسے ہم یہاں نہیں دہراتے اس واقعے سے صرف اس موقف کو تقویت دینے والے نقاط کو زیر بحث لاتے ہیں۔

حاطب رضی اللہ عنہ زندگی بھر اپنی جان، مال، زبان اور اپنے کردار سے نبی علیہ السلام کی نصرت اور حمایت کرتے رہے۔ تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ کے شرکاء میں شامل تھے جن کے لئے جنت کی بشارت بالنص موجود ہے، غزوہ فتح مکہ، جس سے مخالفین استدلال کرتے ہیں، میں بذات خود مشرکین مکہ کے خلاف شریک ہیں۔ ان کا مراسلہ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت اور نصرت کے لئے ہرگز نہیں تھا، نہ کسی مشرک کے ساتھ جانی مالی یا اخلاقی وسیاسی تعاون کی کوئی صورت تھی، انہوں نے اس یقین اور رضامندی کے بعد مشرکین مکہ سے مراسلت کی تھی کہ لشکر اسلام فتح و کامرانی سے ہم کنار ہوگا اور وہ خود مشرکین کے خلاف برسرپیکار ہونے چلے تھے، مراسلات کی برآمدگی کے بعد وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے یہ مراسلت کفر اور ارتداد کی وجہ سے نہیں کی ہے گویا ان کے نزدیک بھی کفار کی نصرت کفر اور ارتداد تھی۔

مراسلت کے الفاظ اہل سیر نے نقل کئے ہیں، ان پر غور کریں: ''اے قوم قریش، اللہ

کے رسول ﷺ ایک لشکر جرار کے ساتھ تمہاری طرف سیل رواں کی طرح آنے کو ہیں، واللہ وہ تنہا بھی تمہاری طرف نکلتے تو فتح مند ہوتے اور اللہ کا وعدہ پورا ہو جاتا، اپنے معاملے کو درست کرلو، والسلام“۔

اس مراسلت میں تعاون کی کون سی صورت ہے، بلاشبہ یہ مراسلت ایک قسم کی نافرمانی تھی جو کبیرہ گناہ تھی اور جس کا کفارہ حاطب رضی اللہ عنہ کی پہلے کی خدمات اور قربانیاں بن گئی تھیں۔

حاطب رضی اللہ عنہ جیسی مراسلت کفر ہے یا کفر سے کم کبیرہ گناہ ہے، اہل علم کا اس میں اختلاف رہا ہے۔ اگر یہ فعل کفر ہے تو پھر اس سے بڑھ کر تعاون کی جو بھی صورت ہوگی وہ بالاولی کفر ہوگی۔ اگر یہ کبیرہ گناہ تھا، جو کہ حق کے اقرب موقف ہے کیونکہ اس مراسلت میں مسلمانوں کے خلاف نصرت اور حمایت نہیں پائی جاتی، کبیرہ گناہ ہونے کی صورت میں یہ مسئلہ زیر بحث موضوع سے باہر ہے ہمارا موضوع تولی کفار ہے جو بالاجماع کفر، خارج از ملتِ اسلام ہے، جن آئمہ نے انہیں کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے وہ اس فعل کو ”تولی فی الکفار“ بھی نہیں کہتے بلکہ سپہ سالار کی نافرمانی میں شمار کرتے ہیں۔

حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ مراسلت اس یقین کے ساتھ کی تھی کہ اس میں حملہ آور مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ رسول اللہ تنہا بھی ان کے مقابل نکل پڑیں تو اللہ انہیں فتح وکامرانی سے سرفراز فرمائے گا خواہ مشرکین مکہ کو اس حملے کی پہلے سے اطلاع فراہم ہو جائے۔ بعض احادیث میں آپ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ”قد علمت ان اللّٰہ مظھر رسول اللّٰہ ومتم له امره“ یعنی مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اللہ اپنے رسول کو غالب کر کے رہے گا اور اپنے فیصلے کو پورا کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے ”باب ماجاء فی المتاولین“ میں نقل کیا ہے یعنی تاویل کرنے والے احکام۔

حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ حاطبؓ کا خیال تھا کہ ایک مراسلت سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔

کافروں کی پشت پناہی کرنا، ایسے وسائل فراہم کرنا جس سے اہل اسلام سے برسرپیکار کفار سے مدد لیں، اس بات میں اور ایسی اطلاع میں جس سے اطلاع دینے والے کو یقین ہو کہ مسلمانوں کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا بہت بڑا فرق ہے۔

جو شخص اس واقعے سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کفار کی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پشت پناہی کرنا کفر نہیں ہے تو ہم اس سے پوچھتے ہیں: کیا کفار سے جو بھی تعاون کیا جائے اس سے کفر لازم نہیں آتا، یا محض مراسلت جیسے فعل سے کفر لازم نہیں آتا؟

اگر وہ پہلی صورت کا اقرار کرے تو پھر اسے اس حدیث کو سامنے رکھ کر وہ فہرست مرتب کرنی ہوگی جس پر عمل کرنے سے کفر لازم نہیں آتا۔

ابوجندل رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابوجندل رضی اللہ صلح حدیبیہ کے وقت اسلام لا چکے تھے اور مشرکین مکہ نے انہیں قید کر کے بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ صلح کے تحریر پانے کے دوران وہ کسی طرح قیدوبند کے ساتھ پہنچ گئے اور مسلمانوں کے گروہ میں پہاڑی سے چھلانگ لگا کر مل گئے۔ ابھی معاہدہ ضبط تحریر میں نہیں آیا تھا مگر زبانی گفت وشنید ہو چکی تھی۔ مشرکین مکہ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس سپرد کرنے کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ابھی معاہدہ تحریر نہیں ہوا اور ہم پر ایسی کوئی قانونی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ یہ سن کر سہیل بن عمرو جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے اور مکہ والوں کی جانب سے معاہدہ کرنے پر مقرر ہوئے تھے، کہنے لگے کہ اگر ابوجندل رضی اللہ عنہ کو ہمارے سپرد نہیں کیا جاتا تو پھر ہم صلح کا معاہدہ نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ اس پر اصرار کرتے رہے لیکن بالآخر ابوجندل رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ واقعہ احادیث کی کتابوں میں مفصل بیان ہوا

ہے جسے ہم نے نہایت اختصار سے بیان کیا ہے۔

اس واقعہ کو بنیاد بنا کر مخالف فریق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو کفار کے سپرد کرنا ایک بڑی مصلحت کے تحت کیا جاسکتا ہے۔اس واقعے سے ہمارے مخالفین کا دعویٰ دراصل رد ہوتا ہے۔

ابو جندلؓ کو کفار کے سپرد کرنے کا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھا۔کیونکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتادیا گیا تھا۔جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے:"انھم نذھب منا الیھم فابعدہ اللہ ومن جاء نا منھم فسیجعل اللہ لہ فرجا ومخرجا"۔

یعنی:"ہم میں سے جو بھاگ کر مکہ جائے گا اسے اللہ دھتکار دے گا اور جو ان میں سے ہمارے پاس آئے گا تو اللہ اس کے لئے کشائش اور بچ نکلنے کی صورت خود ہی نکال لے گا۔"

اس لئے اس واقعہ کا حکم عام نہیں ہے، بلکہ نبی علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا کیونکہ آپ ﷺ کو متواتر وحی آتی تھی۔حدیث میں "لعل" یا "عسی" جیسے لفظ استعمال نہیں ہوئے بلکہ یقینی صیغے استعمال ہوئے ہیں۔

ان کی نجات کی لازمی کوئی صورت اللہ نے نکالنے کا وعدہ کیا تھا۔امام ابن حزم کے زمانے میں بھی اسی حدیث کو جواز بنا کر مسلمانوں کو کفار کے حوالے کرنے کا جواز نکالا گیا تھا جس کا انہوں نے کتاب "الاحکام" میں مفصل جواب دیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:"صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ نے کسی مسلمان کو اس وقت تک کفار کے حوالے نہیں کیا تھا جب تک وحی کے ذریعے آپ کو بتا نہ دیا گیا تھا کہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور ضرور بچ نکلیں گے"۔امام ابن حزمؒ نے بھی انس رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث دلیل کے طور پر پیش کی تھی۔

وہ لکھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے علاوہ اب کسی پر وحی نہیں اترتی اس لئے اس کے لئے یہ امر جائز نہیں ہے اور نہ کسی معاہدے میں کسی مسلمان حاکم کو ایسا معاہدہ کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس شرط کو تسلیم کرے تو اس پر ہرگز عمل نہیں کیا جائیگا۔کیونکہ کسی حاکم کو غیب کا علم نہیں ہے

کہ سپرد کئے جانے والے مسلمان کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔

احکام القرآن میں ابن العربی لکھتے ہیں:

نبی علیہ السلام کا معاہدہ کرنا کہ اہل مکہ میں سے جو شخص اسلام قبول کرکے دارالہجرہ میں آئے گا آپ اسے مکہ والوں کے حوالے کردیں، یہ شرط نبی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔یہ وقتی حکم اللہ کی طرف سے تھا جو اس وقت اپنے اندر بے شمار حکمتیں رکھتا تھا۔اور بعد کے واقعات نے ثابت بھی کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر حکمتیں ہی درست تھیں، کیونکہ کفار کو بامر مجبوری معاہدے کی اس شق کی منسوخی کی خود درخواست کرنی پڑی تھی۔

بالفرض ہم اس حکم کو عام سمجھ لیتے ہیں ایسی صورت میں کوئی مسلمان سربراہ اس قسم کا معاہدہ صرف ویسے ہی حالات میں کرسکتا ہے جن حالات میں نبی علیہ السلام نے یہ معاہدہ کیا تھا۔اسلام کی تبلیغ کے لئے پیہم جہاد کررہا ہو، معاہدے کی غرض وغایت اسلام کا پھیلانا ہو، کفار سے مکمل برأت کا اظہار کرچکا ہو۔آپ ﷺ کا کفار سے اصل معاملہ جہاد اور قتال کا تھا جسے دس برس کے لئے ملتوی رکھا گیا تھا۔آپ ﷺ نے معاہدے کی اس شق کو اس لئے تسلیم نہیں کیا تھا کہ مجاہدین پر کوئی آفت نہ آئے یا مجاہدین کسی چال میں نہ پھنس جائیں۔اس شق کی وجہ سے آپ ﷺ کو نہ کوئی دنیاوی امداد ملنی تھی اور نہ کوئی اور دنیاوی غرض تھی۔اس شق کے تسلیم کرنے کا یہ مقصد بھی نہیں تھا کہ کفار مکہ سے دوستانہ مراسم برقرار رکھنے یا مزید پختہ کرنے تھے کیونکہ کفار سے آپ کے اصل تعلقات کی نوعیت جنگ کی تھی اور مدینہ اور مکہ کا کوئی وفاق یا مشترکہ تحالف بھی نہیں تھا۔رسول اللہ ﷺ ان رذائل سے کوسوں دور تھے۔اس شق کو تسلیم کرنا مسلمانوں اور جہاد کے مفاد میں تھا۔اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے اور مکہ کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد عرب کے دوسرے علاقوں میں جہاد کو جاری رکھنے کے لئے تھا، غزوۂ خیبر اس معاہدے کے بعد ہوا تھا اس کے علاوہ کئی اور سرایا اس صلح کے بعد ہوئے اور جزیرہ عرب کے تمام کفار کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ

دینے کے لئے مراسلت ہوئی تھی۔اس کے علاوہ آپ کے پیش نظر اور بھی عظیم مقاصد رہے ہوں گے جو دین اسلام کی سربلندی اور دعوت کے پھیلنے کے لئے ممدو معاون رہے ہوں گے۔

اس صلح کے باوجود کفار کے نقصانات سے آپ خوش ہوئے تھے اور ہر ایسے اقدام کی تائید کرتے تھے جس سے معاہدے کا تعلق نہ ہو اور وہ اہل مکہ کے لئے ضرر رساں ہو۔ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس معاہدے کے دوران میں کفار مکہ کا ناطقہ بند کر دیا تھا حالانکہ آپ ﷺ اور کفار کے درمیان دس سال کے لئے جنگ بندی کا اعلان ہوا تھا۔

ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنے کے لئے مکہ کی طرف سے جن دو افراد کو بھیجا گیا تھا وہ سفارتی مشن پر آئے تھے اور سفیر کو کسی طرح شریعت میں قتل نہیں کیا جا سکتا مگر ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے دو میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ گیا۔آپ ﷺ نے مقتول کی دیت بھی نہیں دی تھی اور نہ ان مسلمانوں سے اپنی برأت کا اعلان کیا تھا۔کیونکہ یہ جہاد ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی قوت بازو سے شروع کیا تھا، وہ خود اس کے ذمہ دار تھے۔جس ساحلی راستے میں وہ قریش کے قافلے غارت کرتے تھے وہ مدینہ کی ریاست میں نہیں آتا تھا۔

آپ ﷺ نے ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے یا گرفتار کرانے میں کفار سے کسی قسم کے تعاون کی پیش کش نہیں کی تھی۔جب ابوبصیر رضی اللہ عنہ دوسری مرتبہ آزاد ہو کر مدینہ لوٹے تھے تو آپ نے یہ الفاظ کہے تھے"ویل امه سعر حرب لو کان له احد" اور دوسری روایت میں "لو کان له رجال" لوا سے دیکھو! یہ شخص جنگ برپا کرنا چاہتا ہے، اگر کوئی اس کا ساتھ دینے والا ہو" اور دوسری روایت میں "کچھ اس کے ساتھی ہوتے" ان الفاظ میں جہاں یہ اشارہ ہے کہ اگر مکہ والوں میں سے کوئی وفد دوبارہ ابوبصیرؓ کو گرفتار کرنے آیا تو وہ اسے ان کے حوالے کر دیں گے وہاں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر ابوبصیرؓ اور اہل مکہ میں دیگر اہل ایمان آکر خود مل کر جتھہ بنا لیں تو یہ ایک پسندیدہ بات ہے۔ان الفاظ کی گہرائی کو سمجھ کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ خود قریش کے قافلوں کی

گزرگاہ پر قابض ہو گئے اور دوسرے مسلمان بھی ان میں آکر شامل ہو گئے۔آپ ﷺ نے خود سے ابوبصیرؓ کو قید خانے میں نہیں ڈالا تھا کہ جب مکہ کا وفد آئے گا تو ان کے سپرد کر دیں گے، بلکہ ابوبصیر خود ہی پوری آزادی سے مدینے کی حدود سے نکل گئے۔

نبی علیہ السلام اگر ابوبصیر اور ابوجندل رضی اللہ عنہما کو قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے سے منع کرتے وہ یقیناً اس حکم کی اطاعت کرتے۔نہ صرف آپ ﷺ نے انہیں منع نہیں کیا بلکہ قریش مکہ بھی یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ آپ اس "دہشت گردی" کو ختم کرنے میں ان کے ساتھ کوئی تعاون کریں گے۔

شیخ عبدالرحمان بن حسن آل محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہما "الدرر" میں ابن نبھان کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جہاد کرنے کے لئے خلیفہ کا ہونا شرط ہے ان کے پاس نہ کلام اللہ سے کوئی دلیل ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی دلیل۔دین پر یہ ایک صریح بہتان ہے اور مومنین کے طریقے کے خلاف ہے۔بغیر خلیفہ جہاد کے جائز ہونے کی دلیلیں ناقابل شمار ہیں۔

قرآن میں جہاد کے احکام عام ہیں ان میں جہاد سے قبل کسی خلیفہ کے نصب کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔سورہ بقرہ میں اللہ فرماتا ہے:

﴿ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض﴾ [البقرة : ۲۵۱]

"اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا"۔

جہاد کا علم تھام کر جو اس کا فریضہ ادا کرے گا وہ اللہ کی اطاعت کرے گا اور فرض کو ادا کر کے سرخرو ہو گا۔خود نصبِ خلافت کا عمل جہاد سے مکمل ہو گا۔ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ان کا جتھہ بغیر خلیفہ کے جہاد کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ اپنے تئیں قریش کے قافلے پر حملے کیا کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کی وجہ سے قریش سے جنگ بندی کا معاہدہ کر چکے تھے۔کیا نبی علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ تم غلط کام کر رہے ہو کیونکہ تم میں کوئی خلیفہ نہیں ہے؟

حلف الفضول

''دہشت گردی'' کے نام پر عیسائیوں سے موجودہ تعاون کو ''حلف الفضول'' سے تشبیہ دینا بھی علم سے منسوب حضرات کی کارستانی ہے۔ رسالت سے پہلے قریش کے خانوادے عبداللہ بن جدعان تیمی کے ہاں جمع ہوئے اور باہم یہ عہد کیا کہ مکہ میں ہر مظلوم مسافر کی دادرسی کریں گے۔ صغرسنی میں آپ بھی وہاں موجود تھے۔ اگرچہ رسالت کے بعد آپ ﷺ نے اس معاہدے کو پسند فرمایا تھا لیکن آپ ﷺ اس کے فریق نہیں تھے۔ معاہدے کے انجام پانے میں عبداللہ بن جدعان کی کوششوں کو دخل تھا جو مشرک ہونے کے باوجود بلند کردار کا حامل تھا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ کیا عبداللہ کو اس کی انصاف پسندی اور صلہ رحمی کا آخرت میں فائدہ ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں'' اس نے کبھی یہ تک نہیں کہا تھا ''رب اغفرلی''۔

مظلوم کی دادرسی کے کسی عہد کو آج کی ظالم ترین قوم امریکیوں پر چسپاں کرنا بالکل لغو ہے۔ اس معاہدے کا مقصد معاہدے کے شرکاء سے نووارد کو ظلم اور ناانصافی سے تحفظ دینا تھا۔ امریکہ ایسا کوئی معاہدہ نہیں کرنا چاہتا جس میں یہ شق ہو کہ دنیا کو امریکیوں کے ظلم اور ناانصافیوں سے تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ امریکہ کے ساتھ تعاون کی غرض وغایت یہ ہے کہ نامعلوم اشخاص کی کاروائی سے امریکہ میں بسنے والے جو افراد حادثے کا شکار ہوئے ہیں اس کا انتقام مسلمانوں سے کئی گناہ زیادہ لیا جائے۔

حلف الفضول میں کسی قبیلے کے لئے یہ لازمی قرار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اس معاہدے میں شامل ہوکر، برعکس امریکہ کے، جس کا مقصد مسلمانوں کے راسخ العقیدہ صالحین کو مٹانا اور اپنے قبضے کو بڑھانا اور اقوام عالم کو غلام بنانا ہے۔

حلف الفضول دراصل ظلم کے خلاف ہونے والا معاہدہ تھا جو ویسے ہی شریعت کے

مقاصد میں بنیادی عنصر ہے اور اسلام کی دعوت ہے۔ معاہد کے شرکاء قبیلہ تیم، زہرہ اور اسد وغیرہا کے خفیہ مقاصد نہیں تھے۔ یہ ایک سادہ سا اور غیر سیاسی معاہدہ بلکہ عہد تھا کہ ظلم کو پوری قوت سے دبادیا جائے۔

ظلم کے سدباب کے لئے کئی شرکائے معاہدہ کا سماجی مرتبہ کارفرما تھا اور اس عہد میں فطرت انسانی کے لئے پوری گنجائش بھی موجود تھی۔ سماجی مرتبہ ان کے علاوہ ان کے پاس کوئی بڑی عسکری قوت نہیں تھی اور نہ ہی انصاف کے تقاضے پورے کرانے کے لئے وہ کسی ظالم کو تیسرے ملک کے سپرد کرنے کے لئے تعاون کررہے تھے۔

امریکہ افغانستان کے مسلم حکمرانوں اور عوام پر حملہ کرچکا ہے اور جن ممالک نے اس سے تعاون کرنے کا یقین دلایا ہے وہ مسلمانوں کو گرفتار کرکے امریکہ کے حوالے کرتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں شریعت میں کفر اور ارتداد کی صورتیں ہیں حلف الفضول سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حلف الفضول کے ثمرات بارآور تھے اور شرکاء نے اپنے علاقے سے مقدور بھر مظالم رفع کردیئے تھے۔ اس جدید تحالف کی تباہ کاریاں ہر ہوش مند پر عیاں ہیں۔

محض ایک ماہ کی مختصر مدت میں ایک ہزار عام شہری جن میں بچے بوڑھے اور خواتین شامل ہیں امریکہ کی بمباری سے ہلاک ہوچکے (یہ مصنف کی تحریر تک کے اعداد وشمار ہیں بعد میں اس امریکی حملے سے ایک محتاط اندازے کے مطابق ۵۰ ہزار سے زائد افغانی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے) ہزاروں شہری معذور اور مستقل اپاہج ہوچکے ہیں، ہزاروں ٹن بارود کی بمباری سے شہروں کے شہر بستیاں اور ساز وسامان واملاک تباہ ہوچکے ہیں۔ افغانستان میں چند بستیاں صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ شفاخانے اور خوراک کے ذخائر جو پہلے ہی بہت کم تھے تباہ ہوگئے ہیں ،افغانستان کی دو کروڑ آبادی پر اقتصادی پابندیاں لگائی جاچکی ہیں۔ لاکھوں افراد بے گھر ہوچکے

ہیں اور پڑوسی ملکوں میں انہیں ہجرت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو موسمی اثرات اور دوسری آفات سے محفوظ رکھ سکیں۔ شک کی بنیاد پر ہزاروں مسلمانوں کو دنیا بھر میں گرفتار کیا جا چکا ہے، مسلمانوں کے علاقوں میں کفر کا اثر ورسوخ بڑھ گیا ہے جیسے روس نے چیچنیا اور بھارت نے کشمیر میں فوجیں داخل کر دی ہیں۔ اسلامی رفاہی اداروں کے خیراتی کاموں پر اس شک کی بناء پر پابندی لگائی گئی ہے کہ وہ دہشت گردوں کی مدد کرتے ہیں، یہ رفاہی ادارے دنیا بھر میں پس ماندہ اور غریب مسلمانوں کے ساتھ مقدور بھر تعاون کرتے ہیں۔

آیئے شریعت سے دریافت کریں اور یہ مسئلے کا سب سے اہم پہلو ہے:

یقیناً حلف الفضول جیسے کسی معاہدے میں شمولیت جائز ہے کیونکہ انسداد ظلم خود شریعت کا ایک اہم تقاضا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''خبردار ظلم کرنے سے باز رہو، آخرت میں ظلم روز محشر کی ظلمات میں ڈھل جائے گا''۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کرلیا ہے وہ تمہارے درمیان بھی محرم قرار پایا ہے ایک دوسرے پر ظلم مت کیا کرو''۔

اس قسم کے معاہدے میں مسلمانوں کے خلاف کافروں کی حمایت کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس میں طاغوت سے تعاون صادر ہوتا ہے۔ امریکہ سے تعاون تو تولی کفار میں سے ہے جو کفر وارتداد ہے۔ امریکی قانون یا عدالت سے فیصلہ کرانا تحاکم الی الطاغوت ہے، اس تعاون سے افغانستان کے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں اور بے گناہ مسلمان ہلاک ہوگئے ہیں اور لاکھوں بے گھر اور ہزاروں معذور ہوگئے ہیں، زمین میں ناانصافی اور ظلم سے سرکشی کی جا رہی ہے، وسطی ایشیاء تک امریکہ کی رسائی کا سامان کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک سے اپنا انتقام لے اور اسلام کو فتح اور نصرت سے ہمکنار کرے، آمین۔

مجبوری (اکراہ)

اہلِ ضلال امریکی تحالف میں شامل ہونے کو شریعت کی اصطلاح ''اکراہ'' کے باب سے درست قرار دینے پر مصر ہیں۔ یہ اصرار محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے یا پھر شریعت کی اس اصلاح ''اکراہ'' سے ناواقفیت ہے۔

کفر کے ارتکاب کے لئے یہ شرط ہے کہ اکراہ قتل کی حد تک پہنچتا ہو یا پھر جسم کے کسی اہم عضو کے تلف ہو جانے کا یقینی خطرہ ہو۔ مال ومتاع، سرکاری یا غیر سرکاری عہدہ، تنخواہ یا ملازمت سے فراغت جیسے مسائل کفر کا کلمہ ادا کرنے یا کفر کا کوئی کرنے کے لئے اصول شریعت میں اکراہ نہیں ہے۔ ''اکراہ'' اصول فقہ کی مستند کتابوں میں پڑھ کر دیکھ لیں، امریکہ کے ساتھ تحالف دراصل دنیا اور دنیا کے کسی فائدے کے لئے ہے اور انہی موجودہ مناصب کو باقی رکھنے کیلئے ہے۔

شیخ عبداللطیف آل شیخ کتاب ''الدرر'' میں ضرورت کے وقت مشرک سے نصرت (مدد) لینے کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جس شخص نے ریاست کی وزارت عظمیٰ کو برقرار رکھنے یا خود ریاست کو برقرار رکھنے کو ضرورت شریعہ میں شمار کیا ہے وہ سخت غلطی میں ہے، شریعت میں ''اکراہ'' (ضرورت) ضرورتِ دینی اور دین کو بچانے کے لئے جتن کرنا ''اکراہ'' کے باب سے ہے۔ محض اپنے منصب کو محفوظ کرنے کے لئے مشرک سے نصرت لینا ضرورت دینی نہیں ہے۔

مکرہ علیہ (جس پر اکراہ وارد ہو) کی شروط پر اگر اس میں ضرر نہیں ہے خود وہ ایسے نازیبا کلمات اداء کر کے اپنی جان بچاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے الفاظ سے یا فعل سے کسی دوسرے کا قتل ہو جائے تو اس اکراہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس پر اجماع امت ہے کیونکہ کسی کو اپنی جان بچانے کے لئے کسی دوسرے کی جان سے کھیلنے کا حق نہیں ہے۔ ''احکام القرآن'' میں ابن عربی ﴿ومن یفعل ذلک عدوانا وظلماً﴾ [نساء : ۳] ''اور جو شخص یہ نافرمانیاں سرکشی اور ظلم

کرے گا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں اکراہ کے باب میں یہ آیت اس بات پر واضح دلیل ہے کہ بھول کر یا غلطی سے یا اکراہ کی حالت میں دوسرے کا ضرر قابل معافی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ''مکرہ علیہ'' اپنے کسی فعل سے دوسرے کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے تو اس کا یہ فعل بالا جماع ''عدوان'' (سرکشی) ہے۔ اس لئے ہمارے مذہب میں ''مکرہ علیہ'' اپنے اس فعل کے بدلے میں قتل کیا جائیگا اور اکراہ کا جواز قبول نہیں کیا جائے گا۔

صحیح مسلم کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''اکراہ میں کسی کو ہلاک نہیں کیا جاسکتا، اگر مکرہ علیہ (جسے مجبور کیا گیا ہے) ایسا کرے تو وہ بالا جماع آثم (گناہگار) ہے۔ القاضی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے''۔

کتاب ''جامع العلوم والحکم'' میں ابن رجبؒ فرماتے ہیں: ''اگر کسی بے گناہ کو قتل کرنے پر کسی کو مجبور کیا جائے تو اس کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں۔ اگر وہ اقدام قتل کرے گا تو اس کا یہ فعل قتل عمد میں شمار ہوگا۔ آئمہ کی ایک کثیر تعداد نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

امریکہ اس اکراہ سے مسلمانوں کا قتل عام کرنا چاہتا ہے اور اس صورت میں کسی ایک مسلمان کی ہلاکت کے لئے اکراہ کا بہانہ معتبر نہیں ہے۔ جبکہ امریکہ کا مطلوب مسلمانوں کی کثیر تعداد کو ہلاک کرنا ہے۔ اکراہ کی اس صورت کا اسلامی شریعت میں سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کے زمانے میں بھی ایسی صورت پیش آئی تھی۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف تاتاریوں کی نصرت کی تھی۔ اس پر امام صاحب کا یہی فتویٰ تھا کہ اکراہ میں کسی دوسرے مسلمان کے قتل کا جواز ہرگز نہیں ہے، امام صاحب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ''اگر فتنے میں مکرہ کو قاتلانہ حملوں پر مجبور کیا جائے اور مجبور کرنے والا ایسا گروہ ہو جو شریعت کے برخلاف اقدام کر رہا ہو۔ جیسے مانعین زکوٰۃ یا مرتدین اپنے ساتھ کسی کو مجبور کریں کہ وہ ان کے ساتھ مل کر حملہ کرے، تو

جسے مجبور کیا گیا وہ قاتلانہ حملے میں شریک ہوا اور وہ ان کے ساتھ مجبوراً شامل ہو گیا، اس پر فرض ہے کہ وہ قتال میں شریک نہ ہو خواہ اپنے مدمقابل مسلمانوں کے حملے میں وہ خود مارا جائے۔ جیسے اگر کافر کسی مسلمان کو اپنے لشکر میں بزور شامل کرلیں اور اسے مسلمانوں پر حملہ کرنے پر مجبور کریں تو اس کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ اپنی مجبوری کو جواز بنا کر اپنی جان بچانے کے لئے ایک بے گناہ کو قتل کر دے۔ اس کی دوسری صورت یعنی خود ہلاک ہونا بنسبت دوسرے کو ہلاک کرنے کے درست اقدام ہوگا۔ اور وہ خود قتل سے بچ جائے اور دوسرے کو ظلم اور عدوان سے قتل کر دے ہرگز جائز نہیں ہے''۔

حصول انصاف کے لئے کافر سے تعاون

حصول انصاف کے لئے کافر سے تعاون کرنے والے اصحاب کا مقدمہ یہ ہے کہ'' کافروں سے تعاون کی ایسی صورت جو مسلمانوں کے خلاف ہو وہ بلاشبہ کفر ہے۔ لیکن اگر کسی کافر پر مسلمان نے کوئی ظلم کیا ہو تو کافر کو انصاف دلانے کے لئے اس کا ساتھ دینا ۲ نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے تا کہ انصاف کا بول بالا ہو۔'' اس دلیل کا بطلان:

(الف) کافروں سے تعاون کی یہ دو مستقل قسمیں خود ساختہ ہیں۔ سلف صالحین اور آئمہ مجتہدین میں سے کسی نے ایسی تقسیم نہیں کی ہے۔

(ب) مفتی صاحب سے جب کسی مسئلہ میں فتویٰ پوچھا جاتا ہے تو اس سے علمی مفصل بحث مطلوب نہیں ہوتی، بلکہ اس مسئلے میں شریعت کی نصوص سے دوٹوک اور سادہ جواب درکار ہوتا ہے۔ اپنے موقف کے لئے علمی مسائل سے الجھاؤ پیدا کر کے حیران کئے گئے عوام الناس کو دوٹوک جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف موجودہ امریکی اتحاد میں شریک ہونے والے کا قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟ سائل کا سوال یہ ہے نہیں ہے کہ کیا کافر کو انصاف دلانے میں کوئی مدد کی جاسکتی ہے؟ خوامخواہ زمین پر ایک در پیش

واقعہ کو فلسفے کا روپ دے کر اپنا موقف ثابت کرنا تلبیس ابلیس ہے۔

اگر زمین پر پیش آنے والے ہر فعل کی اس طرح تقسیم کی جائے تو پھر اگر کوئی یہ سوال کرے کہ غیر اللہ کے لئے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟ اور اس کا جواب یوں دیا جائے۔

اس قسم کے ذبیحہ کی دو صورتیں ہیں:

(الف) اگر اس ذبیحہ سے غیر اللہ کی عبادت مقصود ہو تو یہ ذبیحہ کفر ہے۔

(ب) اگر اس قسم کے ذبیحہ سے غیر اللہ کی عبادت مقصود نہ ہو تو وہ مباح ہے۔

یہ فرضی تقسیم ہر کفریہ عبادت میں الجھاؤ پیدا کر سکتی ہے اور سنئے اگر کوئی شخص کسی بت کو سجدہ کرے اور قبروں سے فیض حاصل کرے اور اس طرح کے علمی اور قولی نواقض اسلام کا مرتکب ہو تو اوپر والی تقسیم سے کفر صریح و نواقض اسلام ہی سے مباح اور کفر کی دونوں صورتیں تلبیسی مہارت سے پیدا کی جا سکتی ہیں۔

غیر اللہ کے لئے قربانی، بت کو سجدہ اور مسلمانوں کے خلاف کفار سے تعاون بذات خود کفر ہیں۔

سورہ مائدہ کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسے اختراعی تقسیم کے ذریعے کوئی الجھاؤ پیدا کئے بغیر صاف لفظوں میں فرمایا کہ مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کا ساتھ دینا بذات خود ان کے دین اور ملت میں شامل ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ اس فعل سے وہ کفر کرنا چاہتے ہیں یا نہیں، زیر بحث نہیں ہے بلکہ کلام اللہ کی رو سے وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم یہ کام کافر ہونے کے لئے کرتے ہیں بلکہ "نخشی ان تصیبنا دائرة" ہمیں خطرہ ہے کہ ہم (قوم) مصائب کا شکار نہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تاویل کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے تعاون کو دلیل بنا کر ان کا حکم یہ لگایا ہے کہ وہ ان کے دین اور ملت میں شمار ہوں گے۔ تلبیس پیدا کرنے کی یہ دونوں قسمیں باطل ہیں۔ کیونکہ مرجئہ کا باطل فرقہ بھی فعل کو اعتقاد سے جوڑتا ہے۔ حالانکہ کسی شخص کے

دل میں محض کافر کے دین میں اس کے کفر ہونے کی وجہ سے رغبت پیدا ہونا خود کفر ہے۔ خواہ وہ بالفعل اس دین میں جانے کا اظہار کرے یا نہ کرے، اس دین کی عبادات میں حصہ لے یا نہ لے۔ مرجئہ کا یہی طریقہ ہے کہ وہ کسی کفریہ فعل کے مرتکب کو اس وقت تک کافر نہیں کہتے جب تک اس کا عقیدہ اور دلی ارادہ کفر کرنے کا نہ ہو۔

آیت کی رو سے تولی خود کافر ہونے کی دلیل ہے۔ قطع نظر اس بات سے کہ اس کا اعتقاد اور دل میں کیا ہے، جب تولی کی صفت پائی جائے کفر کی صفت بھی موجود ہوگی۔ ہاں اس تولی کی وجہ ان کا اللہ کے ساتھ کفر بھی ہوا اور وہ ان کے کفر کی وجہ سے تولی کرتا ہو تو اب اس کفر کی نوعیت محض تولی سے بڑھ کر شدید تر ہوگئی ہے۔ اب ایسے کفر کا سبب کفار سے ان کے کفر کی وجہ سے محبت کرنا ہے، اور کافروں سے تعاون اس قلبی محبت کا تقاضا ہوا۔ اس طرح یہ کفر کی بدترین شکل بن گئی۔

تاریخ میں اب تک ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا جس میں کسی اسلام لیوا شخص نے کفار کی نصرت ان کے کفر کی وجہ سے کی ہو۔ گزشتہ زمانے میں بھی اس نصرت اور تعاون کی وہی وجوہات تھیں جو اب ہیں۔ یعنی ان کی طاقت سے خائف ہونا یا اپنے ریاستی منصب کو برقرار رکھنے کے لئے تعاون کرنا یا مال و دولت (امداد) کا حصول یا اس طرح کی کوئی دنیاوی غرض و غایت۔ گزشتہ زمانے میں علمائے کرام اور مفتیان عظام نے اسی تعاون اور نصرت کو کفر کہا تھا جن کے حوالے ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں۔ غزوۂ بدر میں مکہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے وہ "بالاکراہ" مشرکین مکہ کے ساتھ نکلے تھے۔

نبی علیہ السلام کے ساتھ جو مٹھی بھر سپاہ کو بلا امتیاز تمام شریک لشکر افراد کو قتل کرنے کی اجازت تھی۔ اگر ان مجبور مسلمانوں کا حکم (بظاہر) باقی مشرکین سے الگ تھا تو ان کے لئے آپ ﷺ نے خاص ہدایت کیوں نہیں دی تھی؟ اور کس طرح ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا

قتل آپ ﷺ کی قیادت میں جائز اور درست تھا؟ جب تک ان شرکاء کا بھی وہی حکم نہ ہو جو باقی مشرکین مکہ کا تھا۔

البتہ آخرت میں ان مقتولین کا شمار کس گروہ میں ہوگا اس میں علمائے اسلام کا قدیم سے اختلاف موجود ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہوا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تاتاریوں کے ساتھ شریک ہو کر لڑنے والے اسلام کے دعوے داروں کے متعلق جو فتوٰی صادر فرمایا تھا اسے ہم نے گزشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں ۔شیخ الاسلام نے ان کے کفر اور ارتداد کا فتوٰی دیا تھا خواہ وہ اکراہ کا دعوٰی بھی کرے۔

اہل علم نے کفار سے نصرت اور تعاون کرنے والے کو کافر کہا ہے اور کسی نے یہ شرط نہیں لگائی کہ اس کے کافر ہونے کے لئے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس نصرت و تعاون کی وجہ ان کا کافر ہونا ہے۔ البتہ اس بات کی وجاہت مل جاتی ہے کہ خواہ ایسا شخص دل میں مشرکین سے شدید نفرت رکھتا ہو اور مسلمانوں سے شدید محبت رکھتا ہو پھر بھی وہ انہی میں شمار کیا جائے گا۔

کتاب ''الدرر'' میں محمد بن عبدالوہابؒ کا یہ قول درج ہے ''ایسے نیکوکار مسلمان کے کافر ہونے کی دلیلیں بے شمار ہیں جو اللہ کے ساتھ شرک کرے یا اللہ کے ساتھ شرک تو نہ کرے مگر موحدین کے مقابلہ میں مشرکین کا ساتھ دے۔ یہ دلیلیں کلام اللہ، احادیث رسول اللہ اور اہل علم کے اقوال میں بکثرت موجود ہیں''۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: ''ممکن ہے ایک شخص شرک کرنے کو ناپسند کرتا ہو اور توحید کو پسند کرتا ہو لیکن اس کا جرم یہ ہوتا ہے وہ شرک کرنے والوں سے برأت نہیں کرتا اور توحید پر چلنے والوں سے موالات اور تعاون ترک کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ اس کا شمار مشرکین میں ہوتا ہے اس کا ایمان اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتا ، نہ وہ اللہ کے لئے محبت رکھتا ہے اور نہ اللہ کے لئے بغض رکھتا ہے۔ جس اللہ نے اسے پیدا کیا اور

اسے ٹھیک بنایا تو اس کا یہ احسان اس کے نزدیک اس درجے کا نہیں ہے کہ وہ اس کے خالق سے دشمنی رکھنے والوں سے دشمنی رکھے اور اس سے محبت کرنے والوں سے محبت کرے؟''۔

یقیناً لا الہ الا اللہ کی شہادت میں عقیدہ ولاء اور براء داخل ہے۔

شیخ حمد بن عتیقؒ فرماتے ہیں ''مشرکین کی پشت پناہی کرنا اور انہیں مسلمانوں کے رازوں سے آگاہ کرنا، اسی طرح مشرکین کی حمایت کرنا، خواہ زبان سے ہی ہو، یا جو طرز زندگی وہ گزار رہے ہوں ان پر راضی ہونا۔ ان تمام افعال کا ارتکاب کرنے والا کافر اور مرتد ہو جاتا ہے ، سوائے اکراہ کی بعض حالتوں کے، خواہ وہ مسلمانوں سے محبت رکھتا ہو اور کفار سے نفرت ہو''۔

دعوٰی: انصاف اور حصول عدل کے لئے کافر کا ساتھ دینا جائز ہے

''کافر کا انصاف اور عدل کے حصول کے لئے ساتھ دینا جائز بلکہ واجب ہے'' اس دعوے کی کیا حقیقت ہے؟ اگلی سطور میں ہم اس دعوے پر بحث کریں گے:

(الف) کسی مسلمان کا ذمی یا جن کافروں سے اس قسم کا معاہدہ ہوا ہو تو (انہیں) انصاف میسر کرنا اور ظلم سے نجات دلانا شریعت اسلامی میں بالکل جائز اور مباح ہے۔ مگر اس قسم کے تعاون کو کسی اہل علم نے ''مظاہرہ'' (کافروں کی پشت پناہی کرنا) نہیں کہا ہے اور نہ اسے نصرت کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ اس قسم کی مشروع اور مباح بھلائی کو ایک سیاسی (ملکی یا قومی) سطح کی پشت پناہی پر چسپاں کرنے والا اجہل الجاہلین ہی ہو سکتا ہے۔

(ب) ذمی یا معاہد کافر کو ظلم سے بچانے یا عدل وانصاف سے پیش آنے کا کام خود مسلمانوں کی جمعیت کرے گی۔ انہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کفار سے یہ چاہیں کہ وہ مسلمانوں کی جمعیت یا اسلامی ریاست سے انہیں انصاف دلانے کے لئے مدد کریں۔ دوسرے سے ایسی مدد مانگنا تو دور کی بات ہے وہ خود بھی اپنے لئے انصاف عدالت یا پنچائیت کے ذریعے ہی طلب کرے گا۔ خود اپنا فیصلہ آپ نہیں کرے گا۔ اگر ذمی یا معاہد میں اتنی ہی طاقت ہو تو پھر یقیناً ذلت اور صغار، جو ان کے لئے

ضروری ہے، میں نہیں ہوں گے اور مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے ان کے پاس طاقت ہوگی، اور یہ صورت ذمی اور معاہد کی ہوتی ہی نہیں ہے۔ یہ صورت بغاوت اور جنگ کی ہوتی ہے۔

(ج) ہم مدعی سے پوچھتے ہیں کہ ''حصول انصاف'' سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر وہ کہے کہ شریعت کے تقاضے پورے کرنا، تو اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔ لیکن حصول انصاف سے وہ اسلامی شریعت کے قوانین مراد نہیں لیتے، بلکہ صلیبی حملہ آور جسے انصاف اور عدل کہے وہی ان کی مراد ہوتی ہے۔ وہ برملا کہتے ہیں کہ جن مسلمانوں پر اس حملے کا الزام ہے اس کی تحقیق امریکہ میں کی جائے گی، اسلامی شریعت میں یہ قانون کس جگہ موجود ہیں؟

اگر مذکورہ بالا وضاحت کے باوجود وہ اسی کو انصاف اور عدل کہنے پر مصر ہوں تو یہ کفر اور ارتداد ہے۔ کیونکہ وہ طاغوت سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں، امریکہ کے قوانین کو مبنی برحق کہنا (اگرچہ فروعات میں ان کے قوانین میں بھی انصاف ہوگا) اور اسے طاغوت نہ کہنا کفر ہے۔ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں: ''انگریزوں کے متعلق یہ کہنا کہ وہ صاحبان عدل وانصاف ہیں، اگر اس سے مراد یہ ہو کہ ان کے کفریہ قوانین برحق ہیں تو یہ واضح ترین کفر بواح ہے، غیر اللہ کے قوانین کو کلام اللہ میں عموا، عناداً، طغیاناً، افکاً، مبیناً، خسراناً مبیناً اور بہتان کی اصطلاحوں سے موسوم کیا ہے۔ مبنی برحق وانصاف صرف اللہ کی شریعت ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے: ﴿ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان﴾ ''بے شک اللہ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے'' اگر اہل نصاریٰ کے قوانین برحق ہیں تو پھر آسمان سے نازل ہونا چاہئے تھا۔'' یہ الفاظ نواب صدیق الحسن کے ہیں۔

اب امریکہ کے عدل وانصاف کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

عراق پر اقتصادی پابندی کی وجہ سے دس لاکھ بچے ہلاک ہو چکے ہیں۔ امریکی اسلحے اور مالی امداد سے فلسطین میں ہزاروں مسلمان مارے جا چکے ہیں۔

افغانستان پر حملے سے پہلے امریکی پابندیوں کی وجہ سے پندرہ ہزار بچے ہلاک ہو چکے تھے۔

صومال پر امریکہ کے حملوں سے ہزاروں مسلمان مارے گئے تھے امریکہ کے عدل وانصاف کا مختصر خاکہ ہم پہلے باب میں پیش کر چکے ہیں اس کا اعادہ کریں۔

دعویٰ: طالبان اور جو اُن کے پاس مقیم ہیں ظالم ہیں

القاعدہ امریکہ میں دھماکہ کرنے کا ذمہ دار ہے اور حکومت طالبان اس کی حفاظت کر رہی ہے اس لئے اس ظلم کو دور کرنے میں ساتھ دینا دراصل ظلم کو ختم کرنے میں تعاون ہے!

یہ دعویٰ کسی بھی اصول پر قائم نہیں ہے، اس دعوے کی قانونی حیثیت اسلامی قوانین میں ہے نہ امریکی قوانین میں، جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے تو اس کے متعلق قرآن یہ واضح حکم دیتا ہے:

﴿یا أیها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق م بنبإ فتبینوا أن تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین﴾ [حجرات : ٦] .

''اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذاء پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ''

محولہ بالا حکم اس صورت میں، جب کہ دعویٰ کرنے والا فاسق ہو، ہم جس مسئلے پر بحث کر رہے ہیں اس صورت میں فیصلہ کرنے سے پہلے انتہائی درجے کی احتیاط واجب ہے۔ جہاں تک امریکی طاغوتی قوانین کا تعلق ہے تو اس میں یہ قاعدہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ہر ملزم بے گناہ ہے جب تک اس کا جرم ثابت نہیں ہو جاتا، ہر خاص وعام جانتا ہے کہ امریکہ نے ابھی تک اپنے الزامات کو ثابت نہیں کیا ہے۔

اگر ان احادثات میں مسلمانوں کے ہاتھ کو ملوث ہی سمجھا جائے تو اس فرضی صورت میں فریقین کے مذہب میں فرق ہونے کی وجہ سے مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ جو فعل امریکی قانون میں جرم ہو کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی شریعت میں بھی جرم ہونا چاہئے؟ مسلمان، جرم اور عدم جرم کا فیصلہ قرآن وحدیث سے کرتے ہیں۔ جسے ہم جہاد کہتے ہیں وہ اسے دہشت گردی کہتے ہیں، ہم حدود اللہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت اور بندوں پر احسان سمجھتے ہیں وہ ان قوانین کو انسان کی توہین اور ظلم و بربریت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عورتوں کے لئے حجاب کو باعث حقارت سمجھتے ہیں، زناکاری اور شراب نوشی پر پابندی کو انسانی آزادی میں دخل دینا سمجھتے ہیں اور اسی طرح دیگر قوانین کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔

اس صورت میں گیارہ ستمبر کے حادثے کو قرآن وحدیث اور آئمہ کرام کے اقوال پر پیش

کرنا فرض ہے، بین الاقوامی طاغوتی قانون پر پیش کرنا ہرگز جائز نہیں۔

بالفرض یہ کاروائی مسلمان نے کی ہے، کافروں اور مسلمانوں کے درمیان جو معاہدے طے پاجاتے ہیں ان کی پابندی کی شروط اور انہیں کالعدم قرار دینے کے اسباب ہماری شریعت میں پوری طرح موجود ہیں۔ اسی طرح جس سے معاہدہ کیا جائے اسے بھی معاہدہ کو فسخ یا کالعدم قرار دینے کا پورا حق ہوتا ہے۔ القاعدہ نے امریکہ کو پہلے ہی خبردار کردیا تھا، بلکہ امریکہ نے کروز میزائلوں سے القاعدہ کے ٹھکانوں پر حملہ اس کارروائی سے پہلے کیا تھا، فریقین اپنی عداوت کا اظہار کرچکے تھے، دونوں کے درمیان کوئی قانونی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

ابوبصیر اور ابوجندل رضی اللہ عنہما کے قاتلانہ حملوں کی شرعی توثیق ہم گزشتہ میں بیان کرآئے ہیں۔ بلاشبہ نبی علیہ السلام نے مدینے کی ریاست کے حکمران کی حیثیت سے صلح کا معاہدہ ضرور کیا تھا لیکن ان صحابہ کرامؓ کے حملے یا ان سے تحفظ فراہم کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ پر عائد نہیں ہوتی تھی۔

فرض کریں یہ کاروائی انہی مسلمانوں نے کی ہو اور ہماری شریعت کے لحاظ سے اس کا غلط ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے۔ تو ایسی صورت میں وہ شریعت اسلامی کی رو سے مجرم اور ظالم ہوئے اس کا حکم بھی ہم اپنی شریعت سے دریافت کریں گے اور یہی ہم پر فرض ہے۔ طواغیت سے ہرگز فیصلہ نہیں کرایا جاسکتا۔

''طالبان اور جو وہاں مقیم ہیں ظالم ہیں''......ہم یہ فرض کرلیتے ہیں۔ لیکن کیا امریکہ ان سے بڑھ کر ظالم نہیں ہے! بلاشبہ امریکہ سب سے بڑا ظالم، دہشت گرد اور گندہ ترین ملک ہے اور برسوں سے دنیا میں ظلم کررہا ہے جس کا مختصر خاکہ ہم پہلے باب میں بیان کرچکے ہیں۔

منہاج السنۃ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ''اہل کتاب کا مسلمانوں سے موازنہ کرنے میں ہمیشہ تم اس نتیجے پر پہنچو گے کہ مسلمانوں میں جو برائی ہوگی وہ اہل کتاب میں ان سے کہیں بدترین شکل میں موجود ہوگی اور اہل کتاب میں جو بھلائی ہوگی وہ مسلمانوں میں اس سے کہیں زیادہ اور وسیع تر ہوگی۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں کتاب یا مشرکین کے صحیح عقیدے کا ذکر کرتا ہے، اگر اس کا

مقصد مسلمانوں کی تنقیص ہو تو قرآن ان کے جرائم بھی تو وہاں گنواتا ہے اور (اہل کتاب کو) جتلاتا ہے کہ تمہارا اپنا ظلم بڑھ کر اور شدید تر ہے''۔

سورہ بقرہ آیت ۲۱۷ میں اس مناظرے کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے:

﴿يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه ، قل قتال فيه كبير ، وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتال﴾ .

لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو اس میں لڑنا بہت برا ہے مگر اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کا راستہ اللہ والوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ پردازی خونریزی سے بھی شدید تر ہے''۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایک دستے نے ابن الحضرمی کو ماہ رجب کی آخری تاریخ میں قتل کردیا تھا جسے بنیاد بنا کر مشرکین نے مسلمانوں پر حرمت والے مہینے کی پاس داری نہ کرنے کا الزام لگایا تھا۔

مسلمان خواہ ظالم ہو اس کی موالات اور حقوق مسلّم رہتے ہیں، جس حد تک اس میں اسلام باقی ہوتا ہے اس کے خلاف کافر سے تعاون کسی صورت میں جائز نہیں ہوتا۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''مومن اللہ کے لئے محبت رکھتا ہو اور اللہ کے لئے عداوت، یہاں تک کہ اگر مومن کسی ظلم کا مرتکب ہو تو اس کی موالات کا حکم باقی رہتا ہو'' اس کے بعد امام ابن تیمیہؒ سورہ حجرات کی آیات ۹ تا ۱۰ بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

﴿وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما ، فان بغت احداهما على الأخرى فقاتلوا التى تبغى حتى تفىء الى أمر الله ، فان فاء ت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا ، ان الله يحب المقسطين انما المؤمنون اخوة فأصلحوا بين أخويكم ، واتقوا الله لعلكم ترحمون﴾ .

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے دونوں بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

نیز فرماتے ہیں کہ اخوت کا وصف باہمی قتل وغارت کے باوجود قرآن دونوں گروہوں پر باقی رکھتا ہے اور ان کے درمیان صلح کرانے کی تاکید کرتا ہے۔

دعویٰ ''طالبان'' مشرکوں کی حکومت ہے

طالبان پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ قبر پرستی کرتے ہیں اور قبروں سے فیض لینے کا عقیدہ رکھنے والے اس حکومت میں کلیدی عہدوں پر فائز ہیں۔ بنابریں کافر کی مدد کسی کافر کے خلاف کی جاسکتی ہے۔ ان مدعیان کے ایک غالی گروہ نے یہاں تک کہا ہے کہ اہل کتاب مشرکوں سے بہتر ہیں اور ان دو کے مقابلے میں کتابی کی مدد اولیٰ ہے ﴿سبحانک هذا بهتان عظيم﴾

(الف) اس الزام کو ثابت کرنا مدعیان کے سر ہے کیونکہ مدعی کا فرض ہے کہ وہ اپنے دعوے کو ثابت کرے۔ افغانستان میں شرک اکبر پایا جاتا ہے اسے ثابت کریں اور طالبان قیادت اسے برقرار رکھنے پر مصر ہے، دونوں دعوے ثابت کرنا مدعیان کے ذمے ہے۔ اگر وہ دونوں دعوے ثابت نہیں کرسکتے تو وہ جھوٹے ہیں۔

(ب) افغانستان دنیا سے کوئی کٹا ہوا ملک نہیں ہے گزشتہ برسوں میں دنیا بھر کے مسلمانوں نے افغانستان میں کچھ وقت گزارا ہے اور بعض افراد نے مستقل سکونت بھی اختیار کی ہے ان غیر ملکی وفود میں طالب علم بھی تھے اور علماء بھی اور سب نے گواہی دی ہے کہ طالبان قیادت ہر قسم کے شرک سے برأت کرتی ہے اور اس میں شرک نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مذمت بھی کرتی ہے۔ یہ درست ہے کہ وہاں بدعات پائی جاتی ہیں لیکن بدعات کا وجود شرک اکبر کے لئے مستلزم نہیں ہے۔ کسی قبر پر پختہ عمارت کا ہونا

اگر چہ بدعت ہے اور اس پختہ عمارت کا طواف کرنا اور وہاں غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا اور نذر ماننا جو شرک اکبر ہے دونوں میں فرق ہے۔ قبروں پر پختہ عمارتیں وہاں ضرور پائی جاتی ہیں لیکن یہ بدعت ہے شرک اکبر نہیں۔ اسی طرح اصحاب قبر کے وسیلے سے دعا مانگنا شرک اکبر ہے اور اولیاء کی قبور پر جا کر اس نیت سے اللہ سے دعا کرنا کہ وہ قبول ہوگی بدعت ہے۔ اسی طرح صالحین کے متروکات سے تبرک حاصل کرنا بدعت ہے جبکہ عبادت کے کسی انداز کو وہاں بجالانا شرک اکبر ہے، افغانستان میں ایسے کم علم لوگوں میں توحید کی دعوت عام کرنے کا کام طالبان دور میں جاری تھا۔

(ج) طالبان نے شرک کے بعض استھانے (مراکز) منہدم کئے ہیں اور اسی طرح شرک اکبر کو ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

(د) عوام کے کچھ طبقات کے شرک کو دیکھ کر پوری حکومت اور ملک کے تمام باشندوں پر اس شرک کا اطلاق کرنا غیر منصفانہ فعل ہے۔ اگر کسی ملک میں شرک کے وجود سے تمام باشندوں کو مشرک قرار دیا جانے لگے تو پھر دنیا میں کہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں لوگ شرک نہیں کرتے۔ جزیرہ عرب میں روافض اور اسماعیلی فرقے شرک کرتے ہیں، اسی طرح مکہ میں قبر پرست صوفیاء بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کے شرکیہ کاموں کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جزیرہ عرب میں سب مشرک ہیں۔ اسی طرح افغانستان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں سب مشرک ہیں۔

(س) بلاشبہ طالبان کا دور اُن کے پیشرو حکمرانوں سے بہت بہتر تھا اور بہتر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دنیا بھر کے علماء نے طالبان حکومت سے پہلے افغانستان کی جو قیادت تھی اس کے تحت روس کے خلاف لڑنے کو جہاد اسلامی کہا تھا۔ اگر طالبان سے پہلے کی قیادت کے ساتھ لڑنا جہاد تھا تو بالاتفاق طالبان قیادت ان سے بہتر تھی۔ لہٰذا ان کا ساتھ دینا بالاولیٰ درست تھا۔ مفتی الدیار شیخ عبدالعزیز بن باز نے متعدد بار افغانستان کی معزول قیادت کے ساتھ لڑنے کو جہاد کہا تھا، اس بابت ان کے فتوے میں کہا گیا تھا ''بلاشک افغانستان میں کیا جانے والا جہاد جہادِ اسلام ہے جس کی حوصلہ افزائی اور تعاون کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کیونکہ وہ دنیا کے خبیث ترین حملہ آور کے خلاف جہاد کر رہے ہیں، اگر چہ غنیم

جدید ترین اسلحے سے لیس اور دنیا کی دوسری بڑی طاقت سمجھا جاتا ہے لیکن اللہ کی مدد اور نصرت ہمارے بھائیوں کے ہم رکاب ہے، لہٰذا تمام اہل اسلام پران کی مدد کرنا واجب ہے، اپنے مال سے اپنی جان سے اور اپنے سماجی مرتبے سے اور جو اس قسم کے تعاون میں حصہ ڈالے گا وہ اپنے واجب کو ادا کرے گا"۔

شیخ ناصر بن حمد نے مفتی دیار عبدالعزیز بن باز کے ایک اور فتوے کا بھی حوالہ دیا ہے جس کو اختصار کے پیش نظر ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔

جب حملہ آور روس تھا تو افغانستان کا جہاد جہادِ اسلام تھا، آج حملہ آور امریکہ ہے تو اس کے جہاد نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ حق تو یہ ہے کہ آج کا جہاد گزشتہ جہاد سے بھی افضل اور مقدس ہو۔ پہلی وجہ طالبان نے شریعت کا نفاذ پہلے کی نسبت بہت زیادہ (اصل بنیاد پر) کیا تھا۔ افغانستان آج ایک قیادت کے تحت جہاد کر رہا ہے جبکہ پہلے یہ قیادت کثیر تھی اور آپس میں (لالچ اقتدار کی وجہ سے) اختلاف بھی رکھتی تھی، پہلے روس نے تنہا حملہ کیا تھا آج امریکہ اور اتحادی ممالک نے مشترکہ حملہ کیا ہے۔

(ش) ہم مدعیان سے پوچھتے ہیں کہ روس کے خلاف افغانستان نے جو جہاد کیا تھا اس کا تمہارے نزدیک کیا حل ہے؟ اگر ان کا جواب یہ ہو کہ وہ اسلامی جہاد تھا، تو ہم پوچھنا چاہیں گے کہ اب جبکہ بالاتفاق طالبان قیادت معزول قیادت سے بہتر ہے اس کے ساتھ مل کر لڑنا جہاد کیوں نہیں؟ کیا گزشتہ قیادت کے دور میں وہاں قبر پرست نہیں تھے؟ کیا خانقاہیں، مقبرے اور اولیاء کی قبور طالبان نے تعمیر کرائی ہیں؟ اس وقت یہ شرک کے مظاہر آپ کو کیسے گوارا ہو گئے تھے؟ جب سب مشائخ اور سرکاری وغیر سرکاری مفتیان اسے جہاد کہتے تھے اور ان کی نصرت ان سے تعاون کرنا واجب قرار دیتے تھے اور اس کی ترغیب دیا کرتے تھے اور سعودی عرب کی پروازوں پر سفر کرنے والے مجاہدین کی ٹکٹوں پر ۷۵ فیصد رعایت دی جاتی تھی اور یہ رعایت کئی سالوں تک برابر ملتی رہی تھی۔ جب سے امریکہ دشمن ہوا ہے، افغانستان میں پائے جانے والے شرکیہ مظاہر آپ کو بہت واضح دکھائی دینے لگے ہیں۔

(ص) لیجئے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ افغانستان مشرکوں کا ملک ہے! کیا اس وسیع و عریض ملک

میں ایک بھی موحد نہیں ہے بلاشبہ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرتا، بلکہ وہاں موحدین کی کثیر تعداد موجود ہے، اگر افغانستان میں صرف ایک موحد ہوتا تو اس کے خلاف امریکہ کی حمایت اور نصرت کفر اور ارتداد ہوتی وہاں موحدین کی کثیر تعداد تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

(ظ) ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ افغانستان میں مذکورہ بالا بدعات اور منکرات نہیں پائی جاتیں، بدعات اور منکرات تسلیم کرنے کے بعد ہم اس کا شرعی حکم جاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں اسلام کی تاریخ میں طوائف الملوکی کا دور ہے، اسی دور میں مصر اور شام کے علاقوں میں اولیاء کی قبروں کی تعظیم کی جاتی تھی اور اسی دور میں نبی علیہ السلام کے مدفن پر بلند و بالا گنبد تعمیر کیا گیا تھا۔ اس دور میں اہل سنت والجماعت سے خارج فرقے جہمیہ، وحدت الوجود اور صوفیاء کے عقائد رائج ہوئے تھے، لیکن اس کے باوجود اسلامی شریعت ہی قانوناً نافذ تھی۔ جب مسلمانوں کی ان حکومتوں میں تاتاریوں نے حملہ کیا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور دوسرے جلیل القدر آئمہ نے نہ صرف اسے جہاد کہا تھا بلکہ تاتاریوں کے ساتھ تعاون کرنے والوں پر کفر وارتداد کا فتویٰ لگایا تھا۔ حالانکہ مذکورہ بالا فرقوں کے عمائدین نے متعدد بار آپ کو قید و بند میں ڈالا اور تشدد کیا تھا۔

(ض) آپ کے نزدیک افغانستان مشرکوں کا ملک سہی اللہ انہیں شرک سے محفوظ و مامون رکھے۔ امریکہ نے اب تک جن ممالک پر حملہ کرنے کا عندیہ دیا ہے وہ لبنان، مصر، الجزائر، لیبیا، صو۔ل، یمن اور ازبکستان اور چند دوسرے ممالک ہیں کیا ان تمام ممالک میں بھی مشرک رہتے ہیں؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

اگر تمہاری ضدان ممالک پر بھی وہی حکم لگاتی ہے جو افغانستان پر تم نے لگایا ہے تو پھر بھی تمہارا دعویٰ غلط ہے، امریکہ ان پر اس لئے حملہ آور نہیں ہوا ہے کہ وہ شرک کرتے ہیں بلکہ وہ اس لئے حملہ کرنے والا ہے کہ (کلمہ گو) مسلمان ہیں اور اس کا حملہ شرک کے خلاف نہیں اسلام کے خلاف ہے۔

(ح) امریکہ متعدد بار صراحت کر چکا ہے کہ اس کا اصل ہدف دعوت وہابیہ ہے کیونکہ یہی خالص توحید کی دعوت ہے اور بنیاد پرستی ابھارتی ہے، اخبار سنڈے ٹائم ستمبر ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں

اسٹیفن سکوارٹ لکھتا ہے کہ سارے مسئلے کی جڑ سعودی عرب سے اٹھنے والی وہابی دعوت ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ اس بات کا کھوج لگانا چاہئے کہ ان میں سے آخر ایسے درندہ صفت افراد کیونکر پیدا ہوئے؟ دنیا کے دوسرے بڑے مذہب (یہودیت) کے خلاف دلوں میں نفرت کون پیدا کر رہا ہے؟ یقیناً سب کا ایک ہی جواب ہوگا، وہابیت، وہابیت خود اسلام میں ایک اچھوتا تصور ہے، یہ دعوت کسی صلیبی حملے کے نتیجے میں کھڑی نہیں ہوئی تھی بلکہ پچھلی دوصدیوں میں نجد سے اٹھی تھی۔ یہ پرتشدد، بے رحم، شدید تعصب پر مبنی دعوت ہے تمام خلیجی ممالک کا سرکاری مذہب ہے اور اسلام کی تمام بنیاد پرستانہ تحریکوں میں یہی وہابیت سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ وہابیت یورپ میں پروٹسٹنٹ تحریک سے بھی زیادہ پرتشدد ہے، اس مذہب میں کسی قسم کی موسیقی سے لطف اندوز ہونا حرام ہے۔ ماسوائے شادی بیاہ پر دف بجانا، مستقل شراب نوشی کی سزا موت ہے، اور اسی طرح ناجائز جنسی تعلقات پر بھی بے رحمی سے سنگسار کرنا ان کا فوجداری قانون ہے، غیرنمازی کو وہابیت میں کافر کہا جاتا ہے، وہابیوں کی ذہنیت مساجد کی خوبصورتی اور قبروں پر پختہ عمارتیں بنانے کے اس لیے خلاف ہے کہ اس سے ان مشاہد کی پرستش کا احتمال پیدا ہوتا ہے، وہابی مسجد میں لفظ محمد ﷺ کا کندہ کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے اور اسی طرح عید میلادالنبی کو بھی بدعت کہتے ہیں۔''

کالم نویس آگے چل کر لکھتا ہے کہ: ''اگر امریکہ سنجیدگی سے بنیاد پرستی کی جڑ کاٹنے کا عزم رکھتا ہے تو اسے اپنی توجہ سعودی عرب پر مرکوز کرنی ہوگی اور اس سے معاہدہ کرنا ہوگا۔ عراق لیبیا بلاوجہ اہم ہوگئے ہیں۔ ان ممالک میں اسلامی بنیاد پرستی اس قدر شدید نہیں ہے جتنی سعودی عرب میں ہے۔ سعودی عرب ہی وہ ملک ہے جو اس قسم کی بنیاد پرستی کا مرکز ہے''۔

اخبار نیویارک ٹائمز نے اپنی ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں یہ الزام لگایا ہے کہ سعودی عرب کے سرکاری تعلیمی ادارے بنیاد پرستی کا اصل موجب ہیں۔ ان مدارس میں جو سرکاری نصاب پڑھایا جاتا ہے اس میں یہودیوں اور عیسائیوں سے تعلقات نہ رکھنے پر زور دیا جاتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کافر ہیں اور ان کے پکے دشمن ہیں۔

اخبار شکاگو ٹرائیبون ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ سعودی عرب کا جدید وہابیت دنیا بھر میں بنیاد پرستی کی جڑ ہے۔ یہ ایک ایسے معاشرے پر یقین رکھتی ہے جس میں سختی سے مذہب پر عمل کرایا جاتا ہے۔ سعودی عرب سے اٹھنے والی اس دعوت کے دنیا میں پھیلنے کی وجہ معدنی تیل کی آمدنی ہے۔ جس کی وجہ سے سعودی عرب میں اس دعوت کا فکری اور مالی سرچشمہ ہے۔

بی بی سی کی ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۱ء کی عربی نشریات میں امریکی امور خارجہ کے حوالے سے جوزف بیڈن کا یہ بیان نشر ہوا تھا کہ سعودی عرب دینی مدارس کی سرپرستی سے باز رہے ورنہ اسے خمیازہ بھگتنا ہوگا جوزف بیڈن کا خیال ہے کہ اسامہ بن لادن اور طالبان نے سعودی عرب کی حمایت یافتہ وہابی تحریک سے متاثر ہوکر متشددانہ طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔

طالبان پر شرک کا الزام لگا کر امریکہ کی حمایت کا جواز نکالنے والے امریکہ کے اصل ہدف وہابیت کی کیا توجیہ کرتے ہیں؟ ﴿واللہ غالب علی امرہ﴾

دعویٰ: ﴿الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق﴾

طالبان کے مقابلے میں امریکہ کی حمایت کرنے والے سورہ انفال کی آیت ۷۲ کو بنیاد بنا کر یہ دعوی کرتے ہیں کہ امریکہ سے تعاون کرنے کے ہم اس آیت کی وجہ سے پابند ہیں کہ:

﴿وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق﴾

''ہاں اگر وہ دنیا کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو''۔

یہ دعویٰ کئی وجوہات کی بناء پر غلط ہے:

(الف) اس آیت سے مراد وہ لوگ تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ رہنے پر مجبور تھے۔

اسی آیت کا دیباچہ خود اس بات پر دلیل ہے پوری آیت کچھ یوں ہے۔

﴿ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ

والذین آووا ونصروا أولئک بعضهم أولیاء بعض ، والذین آمنوا ولم یهاجروا مالکم من ولایتهم من شی حتی یهاجروا ، وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینهم میثاق ، واللہ بما تعملون بصیر﴾ .

”جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں، رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام) نہیں گئے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں، ہاں اگر دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو“۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”یہ آیت ان بادیہ نشین مسلمانوں کے متعلق تھی جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور مشرکین کے خلاف اسلامی سپاہ میں شامل ہو کر جہاد نہیں کیا تھا۔ اگر وہ اپنے اوپر کیے جانے والے کسی ظلم کی فریاد کریں تو تمہارے اوپر ان کی مدد کرنا فرض ہے۔ کیونکہ سیاسی تعلق نہ ہونے کے باوجود دینی اخوت کا یہ تقاضا ہے۔ ہاں اگر مدد مانگنے والے ایسی قوم کے ساتھ رہتے ہیں جن سے ایک مدتِ معلوم کے لئے صلح کا معاہدہ ہوا ہے تو اس متعین مدت کے دوران میں تم اپنے اس معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرو“۔

محولہ بالا آیت اپنے معنی اور مدلول کے لحاظ سے واضح ہے اس کا مسلمانوں کے خلاف کافروں کی پشت پناہی اور نصرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور یہی قول اہل علم کی کثیر تعداد کا ہے (احکام الجصاص)۔

احکام ابن العربی: ”فتح مکہ کے بعد یہ حکم اللہ نے منسوخ کر دیا تھا اور اسی طرح دارالحرب میں مقیم وارثوں کے احکام بھی منسوخ ہو گئے تھے۔ کیونکہ ہجرت کے احکام فتح مکہ کے بعد ساقط ہو گئے تھے۔ اب اس آیت کا حکم تنگ دست اسیران کے لئے باقی ہے اور اس سے ولایت منقطع نہیں ہوتی، اگر ان مسلمانوں کی اتنی تعداد ہو جو انہیں رہائی دلا سکے تو یہ نصرت کرنا ان پر فرض ہوگا۔ اگر ہمارے تمام مال واسباب ان کی رہائی پر صرف ہو جائیں تو ایسا کرنا بھی فرض ہوگا، خواہ کسی کے پاس ایک پھوٹی کوڑی

بھی نہ بچے۔ یہی قول امام مالکؒ اور دوسرے آئمہ کرام کا ہے۔“

ابن العربیؒ مزید لکھتے ہیں: ”افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ ہمارے بے شمار قیدی دشمن کے پاس ہیں اور ان کے مسلمان بھائیوں کے پاس مناسب بلکہ زائد سرمایہ ہے لیکن وہ اپنے ان اسیر بھائیوں کی رہائی پر یہ مال خرچ نہیں کرتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔“

مولف مندرجہ بالا اقتباس کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ ابن العربی پر اپنی رحمت کرے اگر وہ آج کے مسلمانوں کی لاتعلقی دیکھتے تو پہلے سے کہیں زیادہ تأسف کا اظہار کرتے۔

(ج) جہاد کی دو قسمیں ہیں جہاد طلب اور جہاد دفاع، آیت کا حکم ان مسلمانوں کے لئے ہے جو جہاد طلب کر رہے ہوں، یہ جہادِ دفاع ہے، اور جہاد دفاع ایک نازک معاملہ ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ”اگر دشمن مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں تو ان کا دفاع کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق﴾ اسی طرح نبی علیہ السلام نے بھی ہر مسلمان کی نصرت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاد دفاع میں ہر مسلمان شریک ہوگا خواہ وہ اہل قتال میں سے ہو یا نہ ہو (اپاہج معذور وغیرہ) کیونکہ ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق مدد فرض ہوتی ہے اپنی جان و مال سے، خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ، پیدل ہوں یا سوار۔ مسلمان عہد رسائی میں اسی طرح اہل قتال اور غیر اہل قتال تھے جب غزوہ خندق میں دشمن نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ غزوہ خندق میں جہاد دفاع کی وجہ سے کسی کو جہاد ترک کرنے کی اللہ نے اجازت نہیں دی تھی، جس طرح پہلے جہاد طلب کی وجہ سے شامل نہ ہونے کی اجازت تھی۔ غزوہ خندق میں جن لوگوں نے جہاد میں شریک نہ ہونے کے لئے عذر تراشے تھے قرآن نے ان کی سورہ احزاب آیت ۱۳ میں مذمت کی ہے: ﴿یقولون ان بیوتنا عورۃ وما ھی بعورۃ ان یریدون الا فرارا﴾ ”یہ کہہ کر نبی ﷺ اجازت مانگنے لگے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے لیکن ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا“۔

کیونکہ جہاد دفاع میں دین، ناموس اور جان سب کی حفاظت مطلوب ہوتی ہے۔ یہ ہنگامی حالت ہوتی ہے، جبکہ جہاد طلب اپنی مرضی سے کیا جاتا ہے اور اس کا مقصد دین کی سربلندی، اس کی

دعوت اور دشمن پر رعب بٹھانا ہوتا ہے۔ جیسے غزوۂ تبوک (فتاویٰ جلد ۲۸ ص ۳۵۹) بناء بریں اس آیت سے مذکورہ بالا دعویٰ نکالنا بے بنیاد اور غیر متعلق ہے۔

اس فتنے میں مسلمانوں پر کیا واجب ہے

توحید پر قائم رہنا، توحید ہی مسلمان کا اصل سرمایہ ہے قیامت کے دن توحید کے علاوہ کوئی چیز نجات نہیں دلا سکے گی۔ ان حادثات نے ہماری توحید میں کمزوری کو نمایاں کیا ہے بلکہ توحید کے جامع تصور سے خود اہل توحید میں ضعف پایا گیا ہے۔ عقیدہ ولاء اور براء توحید کا ایک لا ینفک جزء ہے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں اللہ کے دشمنوں سے موالات رکھنا خواہ زبان کی حد تک ہو، عقیدے کو تباہی کے دہانے پر لے آتا ہے، اور دنیا میں اس کا برا انجام یہ ہوگا کہ بالآخر یہ کافر اپنے تعاون کرنے والے مسلمانوں کے خلاف بھی جنگ کریں گے اور آخرت بھی برباد ہوگی۔ کیونکہ کفار کی موالات کفر اور ارتداد ہے، والعیاذ باللہ۔ افغانستان کے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہر نفس پر واجب ہے، اس کی استطاعت اور قدرت کے مطابق، جان سے، مال سے، اسلحے اور اپنے خیالات کے اظہار سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ان هذه أمتكم أمة واحدة وأنا ربكم فاتقون﴾ [مؤمنون : ۵۲].

''یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے میں تمہارا رب ہوں پس مجھ سے ڈرتے رہو۔''

سورہ حجرات میں ''انما المؤمنون اخوة'' بے شک مومنین ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ اسی طرح بخاری و مسلم کی حدیث ہے: **''المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلم''** ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دشمن کے حوالے کرتا ہے۔''

اور اسی طرح ایک اور متفق علیہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: **''ترى المؤمنين تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى لها سائر الجسد بالسهر والحمى''**

یعنی: ''تم مسلمانوں کو ایک دوسرے پر شفقت، محبت اور جان نثاری میں ایسے پاؤ گے گویا وہ سب ایک جسم ہیں۔ جس کے کسی ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو تو سارا بدن بخار کی تپش اور شدت کی وجہ

سے رت جگے میں شریک ہوتا ہے۔''

ایک متفق علیہ حدیث میں فرمایا: **''المؤمن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضا''** ''ایک مومن دوسرے مومن کے لئے کسی عمارت کی اینٹ کی طرح ہے جو ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتی ہیں۔ پھر اپنے مبارک ہاتھوں کی انگلیوں کا باہم پیوست کر دیا۔''

تمام کفر افغانستان کے مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گیا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا ان کی صف میں شامل ہونا فرض ہے۔ ان کی نصرت کرنا اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا، یہ ان کا کم از کم حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت کا حکم دیا ہے اور اسے بے یار و مددگار چھوڑنے سے منع کیا ہے۔ بین الاقوامی سیاست سے اللہ کی شریعت میں تبدیلی نہیں آتی اور نہ اس سے شریعت کا کوئی حکم خاص زمانے کے لئے محدود ہوتا ہے۔ ہم ایسی ہر سیاست سے برأت کا اعلان کرتے ہیں جس سے اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو، اللہ کے دشمنوں سے تو وفاداری اور اللہ کے دوستوں سے مخاصمت، ہم اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

ان نازک حالات میں ہر اس مسلمان پر جہاد فرض عین ہے جو اس پر قادر ہو۔ اس قسم کے جہاد میں والدین کی اجازت شرط نہیں ہے۔ مسلمانوں کے علاقوں پر دنیا کے بدترین کافر نے حملہ کر دیا ہے اس حال میں کہ ان کا اللہ کے علاوہ کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''جہاد دفاع دین اور ناموس کی حفاظت کے لئے بالاجماع فرض ہے۔ ایمان کے بعد سب سے بڑا واجب اللہ کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنا ہے جو اس کے دین کے درپے آزار ہے۔ اس جہاد میں نکلنے کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق جہاد کرے گا۔ ہمارے اساتذہ کا بھی یہی قول ہے اور دوسرے آئمہ کا بھی یہی قول ہے''۔ (فتاویٰ جلد ۴ ص ۵۶۱)۔

امام صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں: ''جب دشمن مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ کر کے دخل انداز ہو تو جہادِ دفاع دشمن کے قریب ترین مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دشمن کے مقابلے میں کم پڑیں تو پھر ان کے بعد والے مسلمانوں پر فرض ہوگا۔ کیونکہ مسلمانوں کے تمام ممالک (شریعت کی

نظر میں) گویا ایک ہی ملک ہیں، نیز جہادِ دفاع میں والدین کی اجازت کی شرط نہیں ہوتی اور نہ قرض دار کو قرض خواہ سے اجازت لینے کی شرط ہوتی ہے۔" اسی حکم کی صراحت امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے آئمہ نے فرمائی ہے۔

مسلمان بھائیو! اپنے افغان بھائیوں کو بے یار و مددگار ہرگز نہ رہنے دو، انہیں مسلمانوں کے تعاون کی جتنی آج ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ یاد رکھیں، کفریہ طاقتیں خواہ وقتی طور پر غالب آجائیں لیکن بالآخر انہیں انجام پر پہنچنا ہوگا، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کوئی اپنے وعدے کا پاس نہیں رکھتا، وہ اپنے دین کی نصرت کرتا اور اپنے سچے اولیاء (سچے مسلمانوں) کی عزت رکھتا ہے اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہے لیکن اللہ کی تقدیر میں ہر فیصلے کا ایک وقت ہے اور اس کا پورا حساب ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس دین کا معاملہ ہر اس جگہ تک پہنچ جائے گا جہاں دن اور رات ہوتے ہیں، اللہ نہ بستیوں کے کسی گھر کو چھوڑے گا اور نہ صحرا نورد کے کسی گھر کو چھوڑے گا جب تک ان کے لوگوں میں یہ دین نہ پہنچ جائے، دین باعزت اور سرفراز ہوگا اور کفر ذلیل و رسوا ہوگا۔"

مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "کرہ ارض پر ہر بستی اور صحرانشینوں کے گھروں تک اسلام کا کلمہ پہنچ کر رہے گا۔ ہر عزت دار آبرومند ہوگا اور ہر ذلیل رسوا ہو کر رہے گا۔"

صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نبی علیہ السلام نے فرمایا، قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے برسرپیکار نہ ہو جائیں اور مسلمان انہیں قتل نہ کر دیں۔ یہودی پتھروں اور درختوں میں چھپتے پھریں گے تو یہ بول کر کہیں گے "یا مسلم! یا عبداللہ! ھذا یھودی خلفی؛ فتعال فاقتلہ" اے مسلم! اے اللہ کے بندے میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے بڑھ کے اس کی گردن مار دے سوائے شجر غرقد کے کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔"

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کرتے ہیں: "قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا (نو لاکھ ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل) لشکر مقام اعماق یا

دابق (یہ دونوں مقام شام میں حلب کے قریب واقع ہیں) میں اترے گا پھر مدینہ سے ان کی طرف (مسلمانوں کا) ایسا لشکر نکلے گا جو اس وقت زمین والوں میں سب سے بہتر ہوگا۔ ابھی جب کہ لشکر والے صفیں ترتیب ہی دیں گے تو رومی عیسائی ان سے مطالبہ کریں گے کہ تم الگ ہو جاؤ! ہمارا راستہ چھوڑ دو ان (مسلمانوں) سے جنہوں نے (اہم معرکے بعد) ہماری عورتیں اور بچے، لونڈیا اور غلام بنائے ہیں، ہم انہی سے لڑیں گے۔ تو مسلمان کہیں گے ہرگز نہیں! ہم کبھی بھی اپنے بھائیوں سے الگ نہ ہوں گے، انہیں تمہارے سپرد نہ کریں گے۔ پھر شدید ترین لڑائی ہوگی تو مسلمانوں سے ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا، ان کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہ کرے گا اور ایک تہائی لشکر جنگ میں مارا جائے گا جو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ فضیلت والے شہداء ہوں گے اور باقی بچ رہنے والے ایک تہائی لشکر میں پھر عمر بھر کبھی بھی فتنوں اور بلاؤں سے آزمائے نہ جائیں گے۔ پھر یہی اللہ کے بندے قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کو فتح کریں گے۔ اس اثناء میں جبکہ وہ مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے اور اپنی تلواروں کو انہوں نے زیتون کے درخت سے ٹانگ دیا ہوگا، شیطان پکار لگائے گا کہ تمہارے پیچھے تمہارے بال بچوں میں دجال آنکلا ہے تو مسلمان گھڑ سواروں کا ایک دستہ فوراً وہاں سے نکلے گا، حالانکہ یہ خبر جھوٹی ہوگی لیکن جب ملک شام میں پہنچیں گے تو وقعی دجال نکل آئے گا۔ سو جس وقت مسلمان لڑائی کے لئے مستعد ہو کر صفیں باندھتے ہوں گے تو نماز کی تیاری ہوگی اور اقامت کہہ دی جائے گی عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام آسمان سے اتریں گے اور انہیں نماز پڑھائیں گے۔ پھر جب اللہ کا دشمن دجال عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھے گا تو مارے ڈر کے یوں گھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور اگر عیسیٰ علیہما السلام اسے یونہی چھوڑ دیں، تب بھی وہ خود بخود مارے خوف کے گھل گھل کر ہلاک ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ اسے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ہاتھوں ہی قتل کروائے گا اور عیسیٰ علیہما السلام دجال کے خون سے آلودہ برچھی لوگوں کو دکھلائیں گے۔"

صحیح مسلم میں ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عنقریب ضرور بضرور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام مسلمانوں کے حاکم بن کر نازل ہوں گے، پس وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور

جزیہ اٹھالیں گے اور مال کی کثرت اس قدر ہو جائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا یہاں تک کہ مومن کے لئے صرف ایک سجدہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس سے بہتر ہوگا''۔

دعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنے دین کی نصرت کرنے والوں میں شامل کرے، ہمیں دنیا بھر کے طواغیت اور ان کی نصرت کرنے والوں سے برأت کرنے کی جرأت نصیب کرے۔ہمیں اپنی راہ میں شہادت سے سرفراز فرمائے ۔اس حال میں کہ ہم جواں مردی دکھار ہے ہوں بزدلوں کی طرح بھاگ کھڑے ہونے والوں میں سے نہ ہوں، با مردی کے ساتھ لڑنے والے ہوں اور اللہ سے اجر لینے کی نیت پیش حال ہوا اور آخرت میں ہمیں انبیاء صلحاء اور شہداء کی رفاقت نصیب کرے جن کی رفاقت سب سے بہتر ہے۔

ونحن نسأل الله عزّ وجل السلامة من كيد العدو وفتن الشيطان وشر النفوس انه قريب مجيب جعلنا الله من أولئك المؤمنين.

تم والحمد لله أولاً وآخراً

۞۞۞